

الناظر یک ایجنسی کے پاس اطراف ملک سے صاحبانِ فوق کی فرمائشیں دیوانِ حاکمی کے طلب میں آتی رہتی تھیں اور جب سے انجمن ترقیِ اُردو نے اپنے ارادہ کا اعلان کیا ہے سب صاحبوں کو متوقع کر دیا جاتا تھا کہ انجمن کی طرف سے دیوانِ حاکمی شائع ہونے والا ہے۔ اُسی انعام میں راستہ محدود کو یہ اطلاع ملی کہ دیوانِ حاکمی جامعہ عثمانیہ کے درجہ الیت اے کے نصاب میں داخل کر لیا گیا ہے چونکہ انجمن کی طرف سے دیوان کی اشاعت میں تعویق تھی اس لیے اس سے دیوانِ حاکمی کا یہ ایڈیشن شائع کیا جاتا ہے تاکہ طلباء جامعہ عثمانیہ کی ضرورت رفع ہو جائے۔ میں مولوی عبدالحق صاحب آنریری سکریٹری انجمن ترقیِ اُردو کا شکریہ ادا رہوں کہ انھوں نے اس ضرورت پر نظر کر کے مجھے دیوانِ حاکمی کے شائع کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

خاکسار

ظفر الملک علوی

ایڈیٹر الناظر

ملک الناظر یک ایجنسی لکھنؤ۔

بسم الرحمن الرحیم

دیباچہ

کچھ کذب و افترا ہی کچھ کذب حق ناہو یہ ہو بضاعت اپنی اور یہ ہو دفتر اپنا
 ایک زمانہ تھا کہ شاعری اور عشق یا عشق کو لازم و ملزوم سمجھتے تھے۔ اور ایسا سمجھنا کچھ بیوجہ
 نہ تھا اول تو خود شعر کا حدوث ہی دنیا میں اس جوش اور ولولہ سے ہوا ہے جو عشق اور محبت کی
 بیروست انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اور شعر کی ذات میں جو ایک آتشگیر مادہ ہے وہ بھی اپنے
 مشتعل ہونے میں کسی آگ کی شتعالک محتاج ہے۔ پھر قوم کا کلام بھی جہان تک کھانگیا اسی خیال
 کی تائید کرتا تھا۔ انا ہمہ حادثات سن یہ کب اجازت دیتی تھی کہ شاہد رعنائے سخن کا نظارہ ایک
 پیر زلال کی صورت میں کیا جائے اور شرابِ ارغوانی کی جگہ سر کر بے نکستے عنیافت طبع کیجائے۔ غرض کہ
 ایک مدت تک یہ حال رہا کہ عاشقانہ شعر کے سوا کوئی کلام پسند نہ آتا تھا۔ بلکہ جس شعر میں یہ چاشنی
 نہ ہوتی تھی اس پر شعر کا اطلاق کرنے میں بھی مضائقہ ہوتا تھا۔ خود بھی جب کبھی یہ سودا اُچھلا آنکھیں
 بند کیں اور اسی شاعر عام پر پڑے جیسے رگہ رگہ کا تانا بندھا ہوا تھا۔ قافلہ کا ساتھ۔ راہ کی
 سلسلے قوم سے یہاں اسکے متعارف معنی مراد نہیں ہیں۔ بلکہ یہاں قوم سے مراد شعرا ہیں۔

ہمواری اور رہنمائی کی فضا چھوڑ کر دوسرا رستہ اختیار کرنا کبھی خیال بھی نہ آیا۔ مگر جب آفتاب عمر
نے پلٹا لکھا یا اور دن ڈھلنا شروع ہوا۔ وہ تمام سیمیاں جلوی جو خواب غفلت میں حقائق سے زیادہ
دل فریب نظر آتے تھے رفتہ رفتہ کا فور ہونے لگے۔ غزل و تشبیب کی اسٹاک انفعالی کے ساتھ بد لگئی
اور جس شاعری پر ناز تھا اُس سے شرم آنے لگی۔ ہر چند سمجھا یا گیا کہ غزل کہنے کے دن اب
آئے ہیں۔ مگر یہی جواب یا گیا کہ غزل کہنے کے دن اب گئے۔

يقولون هل قبل الثلثين ملعب فقلت هل بعدا الثلثين ملعب

جو لوگ عاشقانہ گوئی کے چٹھارے سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ خون جہان منہ کو
لگا پھیرا شکل سے چھٹتا ہو۔ مگر زمانہ کی ضرورتوں نے سبق پڑھایا کہ دل فریب مگر لکھی باتوں پر فرین
سننے سے دل شکن مگر کام کی باتوں پر فرین سنتی بہتر ہو۔ اور حاکم وقت نے یہ حکم دیا کہ پردانہ
بیل کی قسمت کو تو بہت روچکے کبھی اپنے حال پر بھی دو آنسو بہانے ضرور ہیں۔

بکہو بحال خویش ہم آخر توان گرست تا چند بر فلان و بہر بہان گرستین

کچھ نظمیں دم کی حالت پر لکھی گئیں بعضوں نے پسندیں اور بعضوں نے مایسند۔ مگر چوٹ سب کے
دل پر لگی۔ کہانی بجز تھی مگر آپ بیتی۔ اور باتیں ادب پر ہی تھیں گریہ تپے کی نظمیں کسی قدر طولانی
تھیں وہ تقریباً تمام چھپ چکی اور شائع ہو چکی ہیں۔ اب زیادہ تر کچھ بچے کچے متفرق ماوراء پر اگندہ خیالات
باتی ہیں جنہیں سے کسی قدر قطعہ و رباعی کے لباس میں اور کچھ غزل کے روپ میں ظاہر کیے گئے
ہیں۔ انکے سوا چند ترکیب بند ایک آٹھ مسمط۔ کچھ قصیدہ اور کچھ تارکین ہیں جنہیں سے اکثر خاص
طور پر وقتاً بعد وقت شائع ہو چکی ہیں لیکن مصنف کی طرقت سے عام طور پر سبک کی نذر نہیں ہوئیں
ہر بلا کلام جو عالم جہل و نادانی یا ملامت و زندگانی کی نشانی ہو وہ بھی کسی قدر تلف ہو جائیکے بعد
جب قدر بچا ہو اب تک محفوظ ہو۔ انسان کی طبیعت کا مقتضا ہو کہ جو کام اسکی تھوڑی یا بہت کوشش
سے سر انجام ہوتا ہو عام اس سے کراچھا ہو یا بُرا اور پسند کے لائن ہو یا نہ ہو وہ اسکو بڑے فخر کے

۱۰ یعنی لوگ کہتے ہیں کہ کیا اورو لوگ زمانہ تیری سے پہلے ہو سو میں نے اُن سے کہا کیا اورو لوگ زمانہ تیری سے بعد ہو

ساتھ سیلک میں پیش کرنے کی جرات کرتا ہو۔ اور خاص عام سے اپنی کوشش کی ادا چاہتا ہو جس فخر کے ساتھ کہ اہم عالمی جس نے کبھی اب شیرین کا مزہ نہ چکھا تھا ایک کھاری پانی کے چشمہ سے مشک بھر کر بارون رشید کے دربار میں بطور سوغات لے گیا تھا۔ وہ اُس فخر سے کچھ کم نہ تھا جو کتبہ ام بیکارِ دریاقت کر کے اربلا کے دربار میں اپنے ساتھ لایا تھا۔ پس یہ تمام مجموعہ جس میں کچھ نئے اور کچھ پرانے خیالات شامل ہیں محض ایک امید موموم پر کہ دیکھے مردود ہو یا مقبول ملک کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہو اور پہلے اس سے کہ کوئی ہم پر ہنسے ہم اپنی دعویٰ پر آپ ہنستے ہیں شاید ناظرین کو پچھلے زمانہ کے خیالات میں پہلے زمانہ کی نسبت حقائق و واقعات کا کچھ زیادہ جلوہ نظر آئے۔ اور جیسے امید کیجاتی ہو ان خیالات کو سچی شاعری کا ایک نمونہ تصور کیا جائے مگر یہ بات کہ جیسے یہ خیالات کاغذ کو سچے معلوم ہوتے ہیں ایسے سچے دل سے بھی نکلے ہیں یا نہیں خود ہم کو بھی معلوم نہیں۔ تاہم اگر ان چہ رسد جیسا کام محض سچے جوش اور ولولہ سے ہوتا ہے ویسا ہی بلکہ بعض اوقات اس سے بہتر محض شہرت اور ناموری کی خواہش تحسین آفرین کے لالچ جلب منفعت کی توقع۔ یا کم سے کم اپنا دل خوش کرنے کے خیال سے بھی ہو سکتا ہو۔ اور خود کو نولے کو اپنے کام کا نشا معلوم نہیں ہوتا لیکن اگرچہ ہم اس وقت نہونگے۔ مگر زمانہ سچ اور جھوٹ کو اور دودھ لٹا پانی کو الگ کیے بغیر نہ رہے گا۔ سچ پھولے گا اور پھلے گا۔ اور جھوٹ برسات کے سبزہ کی طرح جلد نیست نابود ہو جائے گا۔

۱۔ یہ ایک مشہور حکایت کی طرف اشارہ ہے یعنی ہمدون رشید کے زمانہ میں ایک مہی جسے کبھی جلد کے شیرین پانی کا مزہ نہ چکھا تھا۔ اس کو صحرائیں ایک چشمہ ملا جبکہ پانی اگرچہ دجلہ کے پانی سے کچھ نسبت رکھتا تھا۔ لیکن جیسا شہر پانی کہ وہ بددیہی ہمیشہ پیا کرتا تھا۔ اُس سے کسی قدر میٹھا تھا وہ خوشی خوشی اس کی ایک مشک بھر کر بغداد میں پہونچا اور خلیفہ کے دربار میں اسکو بطور ایک علق نفیس کے پیش کیا۔ خلیفہ نے اس کو چکھا تو بالکل کھاری پانی تھا۔ مگر اسکی ہنرنگی بددیہی پر ظاہر نہیں ہونے دی۔ اور اس کو انعام دے کر رخصت کیا۔ اور حکم دیا کہ یہ شخص دجلہ کا پانی نہ پینے پائے ورنہ اپنے دل میں شرمندہ ہوگا۔ ۱۲۔

و کہ وقت در این نامت غرض کنی تو تعویذ۔ اذا لم تحم من اصول
 ناظرین کو معلوم ہو کہ جب کسی ملک یا قوم یا شخص کے خیالات بدلتے ہیں تو خیالات کے
 ساتھ طرز بیان نہیں بدلتی۔ گاڑی کی رفتار میں فرق آجانا ہو مگر پہنچا اور دھڑلہ دستور باقی
 رہتا ہو۔ اسلام نے جاہلیہ کے خیالات بہت کچھ بدل دیے تھے۔ مگر اسلوب بیان میں مطلق
 فرق نہیں آیا۔ جو تشبیہیں اور استعارے پہلے مدح۔ ہجاء۔ غزل اور تشبیہ میں بتے جاتے تھے
 وہی اب توحید۔ مناجات۔ اخلاق اور عظمت میں استعمال ہونے لگے۔ خاص کر شعر میں اس
 بات کی اور بھی زیادہ ضرورت ہوتی ہو۔ یہ ممکن ہو کہ متاخرین قدیم شعر کے بعض خیالات
 کی پیروی سے دست بردار ہو جائیں مگر ان کے طریقہ بیان سے دست بردار نہیں ہو سکتے
 جب تک کسی غیر ملک میں نئے وارد ہونے والے سیاح کو اس بات کی ضرورت ہے
 کہ ملک میں روشناس ہونے اور اہل ملک کے دلمیں جگہ کرنے کے لیے اسی ملک کی
 زبان میں گفتگو کرنی سیکھے۔ اور اپنی وضع۔ صورت اور لباس کی اجنبیت کو زبان
 کے اتحاد سے بالکل زائل کرے۔ اسی طرح نئے خیالات کے شاعر کو بھی سخت ضرورت
 ہے کہ طرز بیان میں قدامت کی طرز بیان سے بہت دور نہ جاوے۔ اور جہاں تک ممکن ہو
 اپنے خیالات کو انھیں پیرایوں میں ادا کرے جن سے لوگوں کے کان مانوس ہوں۔ اور
 قدامت کا دل سے شکر گزار ہو جو اسکے لیے ایسے سمجھے ہوئے الفاظ و محاورات و تشبیہات
 و استعارات وغیرہ کا ذخیرہ چھوڑ گئے۔

کچھ تعجب نہیں کہ اس مجموعہ کو اور نیز ان نظموں کو جو پہلے شائع ہو چکی ہیں دیکھ کر
 ناظرین کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ان میں نئی بات کون سی ہو؟ نہ خیالات ہی اتنے چھوٹے
 ہیں جو کسی کے ذہن میں نہ گذرے ہوں۔ اور نہ طرز بیان ہی میں کوئی ایسی جدت ہو

جسے کبھی کان آکشا نہ ہوے ہوں اور یہ سمجھ کر بے اختیار بچار ٹھٹھین کہ ہَذَا الَّذِي دُرِقْنَا مِنْ قَبْلُ
پس ان کی خدمت میں عرض کیا جاتا ہو کہ بیشک طرز ادا میں جیسا کہ ابھی بیان ہو چکا وہ بہت
کم فرق پائیں گے۔ مگر خیالات میں ذرا بھی غور فرمائیں گے تو ان کو ایک دوسرا عالم نظر آئے گا۔ وہ
دیکھیں گے کہ کو کھل نہیں بے مگر محل نشین بل گئے ہیں۔ گویا لے وہی ہیں مگر شراب اور ہو۔
نئے خیالات سے ایسے خیالات ہرگز مراد نہیں ہیں جو کسی کے ذہن میں نگہ نہ ہوں
یا کسی کے ذہن کی ان تک ساسانی نہ ہو سکے۔ بلکہ ایسے خیالات مراد ہیں جو شاعر و نا شاعر کے
دلیں ہمیشہ گزرتے ہیں اور ہر وقت ان کے پیش نظر ہیں۔ مگر اس وجہ سے کہ وہ ایسے پامال اور
بمبتذل ہیں ان کو حقیر سمجھ کر چھوڑ دیا گیا اور ان کی طرف بہت کم التفات کیا گیا۔ اور پائے شاعری
کو ان سے ورا، الورا سمجھا گیا ہو۔ لیکن فی الحقیقہ شاعری کا بھید انھیں بمبتذل خیالات میں چھپا
ہوا تھا جو سبب غایت ظہور کے لوگوں کی نظر سے مخفی تھا۔

دیکھ لے بلبل ذرا گلبن کو آنکھیں کھول کر پھول میں گر آن ہو کہانے میں بھی اک شان ہے
انسان میں جیسا کہ ظاہر ہو ہرگز یہ طاقت نہیں ہو کہ وہ کسی چیز کو عدم محض سے موجود میں
لا سکے۔ اسکی بڑی دوطرہی ہو کہ وہ موجودات میں سے چند چیزوں کو ترکیب کر اس میں ایک
نئی صورت پیدا کر دے پس جس طرح معمار عمارت تیار کرنے میں اینٹ مٹی اور چونہ کا۔ یا ڈھنگی ایک
تخت کے بنانے میں لکڑی اور لوہے کا محتاج ہو۔ اسی طرح ضرور ہو کہ شاعر بھی کسی شعر کے
ترتیب دینے میں کسی ایسے مصالح کا محتاج ہو جو اینٹ اور مٹی یا لکڑی اور لوہے کی طرح نفس الامر
میں موجود ہو۔ وہ مصالح کیا ہو یہی دنیا کے حالات جو روزمرہ ہماری آنکھوں کے سامنے گذرتے ہیں
خواہ وہ انسان سے علاوہ رکھتے ہوں۔ یا زمین۔ آسمان۔ چاند۔ سورج۔ پہاڑ اور دریا جیسی شاندار

۱۔ قرآن مجید میں مذکور ہو کہ جب اہل جنت کو کوئی اجنبی کھانا نیکو دیا جائیگا تو وہ کہیں گے ہَذَا الَّذِي
سَرَقْنَا مِنْ قَبْلُ (یعنی یہ تو وہی ہے جو ہم کو پہلے دیا گیا تھا) کیونکہ جنت کے میوے صورت میں یکساں معلوم
ہو گئے مگر ہر ایک کا مزہ اور لذت جدا ہوگی۔ ۱۲

چیزوں سے۔ یا پتھر کمری اور ٹھنکے جیسی بے حقیقت چیزوں سے پس جس شاعر نے ان حالات کو معمولی باتیں سمجھ کر چھوڑ دیا اور شعر کی بنیاد محض فرضی اور نامکن باتوں پر رکھنی چاہی۔ اُسکی مثال اُس معمار کی سی ہوگی جو عمارت بنانے کے لیے اینٹ اور مٹی کی کچھ ضرورت نہیں سمجھتا بلکہ ایسے مصالح کی ضرورت سمجھتا ہے جس سے عمارت تیار نہیں ہو سکتی۔

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اسرائیلی کاین رہ کہ تو میروی بہ حرکتان است
الغرض جسے شاعری کی لئے کھلی معمولی شکار چھوڑ کر غنقا کی گھاٹ میں بیٹھنا اور زمین پر ساگ پات کے ہوتے آسمان سے نزولِ مادہ کا انتظار کرنا چھوڑ دیا۔ زبانہ کے حالات دیکھ کر جو کیفیتیں نفس پر طاری ہوتی رہیں اور جن واقعات کے سننے سے دل پر چوٹ لگتی رہی ان کو وقتاً فوقتاً اپنے سلیقہ کے موافق شعر کا لباس پہنا تے رہے بعض خیالات بحسب ضرورت وقت احوال سلف یا حکایات سلف سے اخذ کیے گئے کہ میں ان کو اپنے حال پر پہنے دیا اور کہیں اپنی کچھ اضافہ کر کے اسکو ایک نئی صورت میں جلوہ گر کیا گیا۔ بعض قطعات و رباعیات میں اخلاقی مضامین کنایہ میں ادا کیے گئے جو شاید کہیں کہیں مطائب کی حد کو پہنچ گئے ہوں مگر انوی وسعدی و شفا فی کے مطالبات کے آگے یقیناً بے نمک معلوم ہونگے۔ ریاد مکر و سالوس و عجب و خود پسندی اور اسی قسم کے اخلاق و اغظ و زاہد و صوفی و شیخ و ملا پر ڈھالے گئے نہ اس لیے کہ لغو بالند اس فرقہ علیہ کی مذمت مقصود تھی۔ بلکہ اس لیے کہ ان اخلاق کے بیان کرینکا اس سے وضع ترکوئی عنوان نہ تھا۔ سیاہی کا دھبہ جیسا اُچلے کپڑے پر صاف نمایاں ہوتا ہے ایسا سیلے کپڑے پر نہیں ہوتا۔ ظلم اور بے انصافی کے ترکیب اپنی اپنی طاقت کے موافق فقیر اور بادشاہ دونوں ہوتے ہیں مگر جب ظلم کو زیادہ ہولناک صورت میں دکھانا منظور ہوتا ہے تو وہ ہمیشہ سلطنت کے لباس میں ظاہر کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ریاد و عجب و خود پسندی اگرچہ ہر فرقہ میں کم و بیش پائی جاتی ہے مگر جب اُس کو علم و زہد و شیخت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تو وہ زیادہ تعجب انگیز اور ڈراؤنی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے اور یہی شاعری کی علت ثانی ہے۔

شاعر جب اخلاقی مضامین بیان کرتا ہے تو اس کو بضرورت اکثر نصیحت و پند کا پیرایہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے ہم کو بھی کہیں کہیں ناصح بننا پڑا ہے۔ مگر اصلی ناصح کی نصیحت اور شاعر کے ناصحانہ بیان میں بہت بظرافت فرق ہے۔ اصلی ناصح خود بڑائیوں سے پاک ہو کر اور دن کو ان سے باز رہنے کی تاکید کرتا ہے۔ مگر شاعر چونکہ بڑائیوں کی ہو ہو تصویر کھینچ کر دکھاتا ہے اور گھر کے بھیدی کی طرح چھپے رستوں کے پترے کھولتا ہے۔ اس لیے سمجھنا چاہیے کہ وہ زیادہ تر اپنے ہی عیب اور دن پردہ کر کا ظاہر کرتا ہے۔ ہر بدی اور گناہ کا نمونہ کم یا زیادہ۔ پوشیدہ یا علانیہ انسان کے نفس میں موجود ہے۔ پس اگر بدی یا گناہ کے متعلق کوئی نکتہ کی بات شاعر کی قلم سے مترشح ہو تو جاننا چاہیے کہ وہ اپنے ہی نفس کی جوریان ظاہر کر رہا ہے۔

ہیں عاشقی کی گھاتین معلوم ہو ساری حالی سے بدگمانی بیجا نہیں ہماری
 شاید اس موقع پر شاعر کی طرف سے یہ عذر ہو سکے کہ اس میں فطرت انسانی کے دقائق و غوامض سمجھنے کا ایک خداداد ملکہ ہوتا ہے جس کی مدد سے بعض اوقات ایک زہد مشرب اور خرابااتی شاعر جس پر پرہیزگاری کی کبھی چھینٹ نہ پڑی ہو وہ پرہیزگاروں کی سوسائٹی کا ایسا صحیح نقشہ کھینچ دیتا ہے کہ خود اس سوسائٹی کے ممبر بھی اپنی سوسائٹی کا ویسا نقشہ نہیں کھینچ سکتے اسی طرح ایک دوسرا شاعر جس نے پرہیزگاروں اور پارساؤں کے حلقہ سے کبھی قدم باہر نہیں رکھا وہ زہد و ادب و باش کی صحبتوں کا ایسا چربا اُتار دیتا ہے کہ گویا انھیں نہیں سے ایک نے اپنی حالت کی تصویر کھینچی ہے۔ ابو نواس نے بارہا خلیفہ سے ایک مصرع سن کر جہین بات کے تخلیہ اور عیش و عشرت کی صحبت کی طرف ایسا جالی اشارہ ہوتا تھا۔ اس مصرع کی تضمین میں ایسے واقعات بیان کر دیے ہیں کہ خلیفہ شعیب ہو کر بے ساختہ یہ کہ اٹھا تھا تا ثلث اللہ کا ناک کنت تا لثنا شکس جسکے ہمراہی ہرن کا شکار کھیلنے والے اور شاہانہ عورتوں کی سوسائٹی نہ دیکھی تھی اور جس نے کبھی آنکھ کھول کر عالی خاندان اور شریف و پاکیزہ عورتوں کی سوسائٹی نہ دیکھی تھی

۱۔ ترجمہ خدا جگر شرے گویا کہ تیرا ہم میں تو تھا یعنی تو نے ایسے صحیح و قیاسیان کیوں کہ گویا تو بھی تیری صحت میں شریک تھا

اُس نے سبکت۔ جولیت۔ کیتھرین۔ ڈرجمونا۔ اور بعض ایلڈیون کے ایسے اہلی کیکر رکھائے
ہین جن کا اس سوسائٹی پر جمین اسکی عمر گزری تھی کبھی پرچھاوان تاکتے بڑا تھا یا ایرن مین
فردوسی اور ہندوستان مین انیس۔ رزم کے بیان مین صد بابا تین ایسی ٹھکانیکی لکھ جاتے
ہین جن سے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ واقعات گویا خود ان پر گزرے تھے۔

اس عذر سے اگرچہ کسی قدر شاعر کی برادرت ہو سکتی ہے۔ مگر پھر بھی اسکو دواعظ و ناصح کا درجہ
نہیں دیا جاسکتا۔ ناصح کی غرض براہ راست ارشاد و ہدایت ہوتی ہے۔ برخلاف شاعر کے کہ
اس کا اصلی مقصد فطرت انسانی کی کرید اور واقعات نصیر سے متاثر ہو کر دلکی بھڑاس نکالنی
ہے اور بس۔ وہ کسی کے سمجھانے کے لیے نہیں چلاتا بلکہ خود کچھ سمجھ کر جھجک اٹھتا ہے۔

ناصر شفق ہین یارون کے نہ مصلح اور نصیر۔ درد مند ان کے نہ ان کے در کے در ان ہین ہم
چھوٹ پڑتے ہین تماشا اس حیرت کا دیکھ کر۔ نالہ بے اختیار لبس نالان ہین ہم
پس اگر شاعر کا کوئی قول اس کے فعل کے برخلاف پایا جائے تو اُس کو دواعظ یا ناصح
قرار دیکر یہ الزام دینا نہیں چاہیے کہ ”اَنَا مُرَوِّی النَّاسَ بِالْكَذِبِ وَتَكْسُونَ اَفْسَاکُمْ“ بلکہ اُسکی
طرت سے یہ عذر کرنا چاہیے کہ ”(تَقْمُ یَقُولُونَ مَا لَا یَفْعَلُونَ“

انسان کے کلام مین کمین کمین اختلاف یا تناقض پایا جانا ایک ضروری بات ہے
بلکہ اس کے کلام کی پہچان ہی یہ بتانی گئی ہے کما قال اللہ تعالیٰ ”وَلَوْ کَانَ عِندَ اللّٰهِ
اَلْوَجْدُ وَافِیْہِ اِخْتِلَافًا کَثِیْرًا“ مگر جسطح ایک فلسفی یا مونیخ کی تصنیف مین اختلاف پایا جانا
اس تصنیف کو عیب لگاتا ہے اسطرح شاعر کے کلام کو عیب نہیں لگاتا بلکہ اس کا بیسیاں سہین
ظاہر کرتا ہے جسکو شاعری کا زیور سمجھنا چاہیے۔ فلسفی یا مونیخ ہر ایک چیز پر اس کے متام پہلو
دیکھ کر ایک مستقل رائے قائم کرتا ہے۔ اور اس لیے ضرور ہے کہ اسکا بیان جامع و مانع ہو۔ لیکن
شاعر کا یہ کام نہیں ہے بلکہ اُس کا کام یہ ہے کہ ہر ایک شے کا جو پہلو اُس کے سامنے آئے
اور اُس سے کوئی خاص کیفیت پیدا ہو کر اس کے دل کو سچپن کر دے اُسکو اسی طرح بیان کرے پھر

پھر جب دوسرا پہلو دیکھ کر دوسری کیفیت پیدا ہو جو پہلی کیفیت کے خلاف ہو اسکو اُس دوسری کیفیت کے موافق بیان کرے۔ وہ کوئی فلسفہ یا تاریخ کی کتاب نہیں لکھتا۔ تاکہ اسکو حقائق واقعات کے ہر ایک پہلو نظر رکھنی پڑے۔ بلکہ جس طرح ایک فنوگرافر ایک ہی عمارت کی کبھی روکار کا یہ بھی کھیت کا کبھی اس ضلع کا اور کبھی اُس ضلع کا جدا جدا نقشہ اُتارتا ہے اسی طرح شاعر حقائق و واقعات کے ہر ایک پہلو کو جدا جدا رنگ میں بیان کرتا ہو پس ممکن ہو کہ شاعر ایک ہی چیز کی کبھی تعریف کرے اور کبھی مذمت اور ممکن ہو کہ وہ ایک اچھی چیز کی مذمت کرے اور بُری چیز کی تعریف کیونکہ خیر محض کے سوا ہر خیر میں شر کا پہلو اور شر محض کے سوا ہر شر میں خیر کا پہلو موجود ہو عقل علم زہد دولت عزت اور آبرو عموماً ممدوح و مقبول سمجھی جاتی ہیں مگر شعرا نے ان کی جا بجا مذمت کی ہو۔ اسی طرح دیوانگی نادانی۔ رندی۔ فقر۔ ذلت اور رسوائی عموماً مذموم و مردود گنی جاتی ہیں۔ لیکن شعرا ان کے اکثر مداح رہے ہیں۔

شاعر ایک ہی چیز کی کبھی ایک حیثیت سے ترغیب دیتا ہو اور کبھی دوسری حیثیت سے اُس سے نفرت دلاتا ہو۔ وہ کبھی قدامت کے مقابلہ میں اس لیے کہ وہ اُستاد اور موجد نہ تھے اپنے تئیں ناچیز و بے حقیقت بتاتا ہو۔ اور کبھی اس لیے کہ اُس نے انکی دولت میں کسی قدر اپنی کمائی بھی شامل کی ہو جو اُنکے پاس نہ تھی لہٰذا تئیں اُن پر ترجیح دیتا ہو۔ وہ کبھی دنیا کی اس لیے تحقیر کرتا ہو کہ وہ دار الغرور و دار الحزن ہو۔ اور کبھی اُسکی بڑائی و عظمت کی بیان کرتا ہو کہ وہ مزید آخرت ہے وہ ایک ہی گورنمنٹ کی کبھی اُسکی خوبون کے سبب سے ستائش کرتا ہو اور کبھی اس کی ناگوار کارروائیوں کے سبب شکایت۔ مگر وہ کبھی ان حیثیتوں کی تصریح نہیں کرتا جن پر اُس کے مختلف بیانات مبنی ہوتے ہیں۔ جب ایک پہلو کو بیان کرتا ہو تو گویا دوسرے پہلو کو بالکل بھول جاتا ہو۔ وہ ایک نادان بچہ کی طرح کبھی بے اختیار رو پڑتا ہو اور کبھی ہنسنے لگتا ہو۔ مگر نہ اس کے رونے کا منشا معلوم ہوتا ہو نہ ہنسنے کا پس ممکن ہو کہ شاعر کے کلام میں ایسی بے جوڑ باتیں دیکھ کر لوگ متعجب ہوں۔ مگر جب تک شاعر کا سادہ دل اُن کے پہلو میں اور دیکھا ہی نہ ہو ان کے دل غ

مین ہوان کا تعجب رفع ہونا مشکل ہے۔

یہ زیر شاخ گل افی گزیدہ بلسل را نواگران

یہ گزند را چہ خبر

یہ چند اصول جو ادبیان کیے گئے اُن سے یہ سمجھنا چاہئے کہ نکتہ چینون کی زبان بند کرنی مقصود ہے۔ کیونکہ حبیط فارہ روکنے سے زیادہ زور کے ساتھ اُچھلتا ہے۔ اسی طرح نکتہ چینون کی زبان بند کرنے سے اور زیادہ کھلتی ہے۔ دوسرے نکتہ چینون سے کان اسقدر مانوس ہو گئے ہیں کہ حبیط توپ خانہ کا گھوڑا توپ کی آواز سے کبھی کان نہیں ہلاتا اسی طرح مصنف نکتہ چینون کے شور و غل کی کچھ پروا نہیں کرتے پس اُنکی زبان بند کرینکی نہ طاقت ہے نہ ضرورت۔ البتہ ضرورت وقت اس امر کی مقتضی تھی کہ دیباچہ میں یہ چند باتیں جتاوی جائیں۔ ظاہر ہے کہ سولہ لیشن جسکو شعر و شاعری کا قاتل کہا جاتا ہے اس کا پرچھاوان اس ملک پر بھی پڑنے لگا ہے۔ شعر جسکو مدرسہ میں لیجانے کی اجازت نہ تھی اس کو روز بروز زیادہ تر مدرسہ ہی کے ساتھ پالا پڑتا جاتا ہے۔ تعلیم ایسے عقل و دانش کے پتے جوق جوق اور فوج فوج پیدا کر رہی ہے جو شعر کے نزدیک ذوق معنی سے ایسے ہی بے بہرہ ہیں جیسے شعرائے نزدیک عقل و دانائی سے۔ اُن پر شعر اتنا بھی اثر نہیں کرتا جتنا کہ عرب کے اونٹ پر خدی خوان کی آواز اثر کرتی ہے۔ غرض کہ شاعرانہ مذاق یو ما فیو مالک سے مفقود ہوتا جاتا ہے۔ اور ایسی علامتیں موجود ہیں جن سے پایا جاتا ہے کہ ہماری شاعری کا چراغ بہت جلد ہمیشہ کے لیے گل ہو گیا ہے۔ پرانی شاعری باقی رہتی نظر آتی ہے اور نہ نئی شاعری آگے چلتے معلوم ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں دیوان شایع کرنا اور شاعری کے متعلق کچھ اصول بیان نہ کرنے ایسی بات تھی جیسے چین میں عبرانی بائبل شایع کرنی۔ اسی لیے مقدمہ میں مطلق شاعری پر کسی قدر تفصیلی بحث پہلے ہو چکی ہے اور چند باتیں جو خاص اس مجموعہ سے علاقہ رکھتی تھیں وہ اب دیباچہ میں بیان کی گئیں۔ لیکن اگر غور کیجئے تو انہیں سے کوئی چیز بھی ضروری نہ تھی۔ مقدمہ اور دیباچہ لکھنا تو درکنار سرے سے

شعر کہنے ہی کی کچھ ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔

”اچھے مادر کاردار ایم اکثری درکار نیست“

مگر بدبر السموات والارض نے اس خرابہ آباد ناگی رونق اور بہا ہمارے اسی غفلت و نادانی پر موقوف رکھی ہو کہ دن رات یہاں کے گورکھ دھندوں میں اٹکھے رہیں دھوکے کو حقیقت اور خواب کو بیداری سمجھیں اور جس کوشش و جانفشانی کے ساتھ کہ کلاسی عمر بھر اپنے بودے اور کمزور جالے کے پورے میں سرگرم رہتی ہو اسی کوشش و جانفشانی کے ساتھ ہم بھی اپنی بے بنیاد اور پادروا عمارتیں چتے رہیں یہاں تک کہ فنا ہو جائیں۔

درکار خانہ کہ بنائش غفلت است	ہشیار ز سینہ نقانون حکمت است
تَدْرُوحُ وَ تَذْهَبُ وَ لِحَا جَابَتْهَا	وَ حَاجَةٌ مِّنْ عَاشٍ لَا تَقْضَىٰ
وَ يَسْلُبُ الْمَوْتُ أَثَرَهُ	وَ يَمْنَعُهُ الْمَوْتُ مَا يَشْتَهُ
تَمَوَّتْ مَعَ الْمَرْءِ حَاجَاتُهُ	وَ تَبَقَّى لَهُ حَاجَةٌ مَا بَقِيَ

۱۔ ترجمہ ہم اپنے کاموں میں صبح و شام سرگرم ہیں اور جو شخص زندہ ہو اس کا کام ختم نہیں ہو سکتا موت ہی اس کے کپڑے اتار دے گی اور موت ہی اس کی خواہشوں کا خاتمہ کرے گی انسان کی خواہشیں اس کے ساتھ ہی رہتی ہیں جب تک وہ زندہ ہو کوئی نہ کوئی خواہش اس کے ساتھ لگی ہوئی ہو۔ ۱۲۔

قطعات

چھوٹوں کا بڑا بن جانا

چند خطوط اک دانا نے
 دیکھ لو ان میں جتنے ہیں خط
 ہے کوئی جو بے ہاتھ لگائے
 ایک نے جتنے خط تھے بڑے
 جب نہ رہا وہاں پیش نظر
 دیکھا اٹھ کر آنکھ جدھر
 کل کی ہر باروبات کہ تھی
 قوم میں جیسا حال ہے اب
 تھے موجود ادیبوں میں
 منشیوں میں ایسے تھے بہت
 شعرین تھے استاد اکثر

کھینچ کے یاروں سے یہ کہا
 کوئی ہے چھوٹا کوئی بڑا
 دے یونہی چھوٹے خط کو بڑھا
 اٹھ کے دیا ایک اک کو مٹا
 خط کوئی چھوٹے خط کے سوا
 کھتا وہی چھوٹا وہ ہی بڑا
 قوم میں باقی جان ذرا
 آدمیوں کا کال نہ کھتا
 اخل و عشی کے ہمتا
 جن پہ کہ نازان تھی نشا
 سحر بیان اور نکتہ سرا

لے گئی ان کو آخر کار
اہل ہنس کا نام و نشان
حالی و زید و عمر بنے
اب چاہو استاد گنو
بحر فنا کی فوج ہر
قوم میں جب باقی نہ رہا
صاحب دیوان نام خدا
یا ہمیں سمجھو تم کیسا
ہم ہیں وہی ناچیز مگر
کبر نام کوٹ الگ کبرا

شعر کی طرف خطاب

اے شعر و لہریب نہ تو تو عنہ نہیں
صنعت پہ ہو فریفتہ عالم اگر نام
جو ہر ہے راستی کا اگر تری ذات میں
حسن اپنا گرد لکھا نہیں سکتا جان
تو نے کیا ہے بحر حقیقت کو موج خیز
دہ دن گئے کہ جھوٹ تھا ایمان شاعری
اہل نظر کی آنکھ میں رہنا ہی گریز
نالکے پری دواسے تری گر چٹھائی لگی
چٹاپ اپنی سچ سے کیوں جادوں میں گھر
جونا بلد میں ان کو بیتا چٹکے راہ
عزت کا پھیل دنگ کی خدمت میں بچھا
اے شعر راہ راست پہ تو جب کڑ لیا
کرتی ہو سچ گرتی دنیا تو نے نکل
ہوتی ہو سچ کی قدر پہ بہید یوں کہ بعد

بر تھچھہ حیف ہے جو نہو دل گدا تو
ہاں سادگی سے آئی اپنی نہ باز تو
تحسین و زگار سے ہے بے نیاز تو
آپے کو دیکھ اور کر اپنے پہ ناز تو
دھوکے کا غرق کر کے رہ گیا جہاز تو
قبلہ ہو اب اُدھر تو نہ کچھو شاز تو
جو بے بصر میں اُن سے نہ رکھ سارا تو
معذرت جان اُن کو جو ہر چارہ ساز تو
اونچا ابھی نہ کر علم استیاز تو
گر چاہتا ہو خضر کی کلمہ دراز تو
محمود جان آپ کو گربے الیاز تو
اب راہ کے نہ دیکھ نشیب فراز تو
بیژدن کا ساتھ چھوڑ کے اپنا جہاز تو
اسکے خلافت ہو تو سمجھا سکو شاز تو

جوت لودان ہوا اپنا اُسے مغنم سمجھ
حالی کو تجھ پہ ناز ہو کر اچ ناز تو

مشاعرہ کی طسج پر غزل نہ لکھنے کا عذر

ہوئی ریعان جوانی کی ہبسا آخر حیف
اپنی روداد تھی جو عشق کا کرتے تھے بیان
اب کہ الفت ہو نہ جاہت نہ جوانی نہ انگ
اگر غزل لکھیے تو کیا لکھیے غزل میں احسر
آپ بیتی ہو جو ہے وہ کہانی بے لطف
ہاں گر کیجیے کچھ عشق کا غیر دن کے بیان
کھینچے وصل صنم کی کبھی نہ رضی تصویر
تا کہ بھر کائے جوالون کے دل آتش کی طرح
پر یہ ڈر ہو کہین اپنی بھی وہی ہو نہ مثل

طبع رنگین تھی مے عشق کی جب متوالی
جو غزل لکھتے تھے ہوتی تھی سراسر حالی
سر ہو سودا سے تہی عشق سے دل پہ خالی
نہ رہی چیز وہ مصنوع سو بھانے والی
گرچہ ہوں لفظ صبح اور زبان ٹکسالی
لائیے باغ سے اور دن کے لگا کر ڈالی
کیجیے درد جدائی کی کبھی نفتالی
وہ ہوا جس سے وماغ اپنا ہوا ہو خالی
فجس چون پیر شود پیشہ کند دلالی

نکتہ چینی

باپ نے بیٹے کو سمجھا یا کہ علم و فضل میں
کیجیے تصنیف اور تالیف میں سعی بیخ
دیکھئے معنی کے نظم و نثر میں دریا ہوا
اور نہ ہو گزشتہ اش کی لیاقت آپین

جسطح بن آئے بیٹا نام پیدا کیجیے
اس میں ایک اپنا پسینا اور لو کر دیجیے
اور سخن کی داد ہو پر جو ان سے لیجیے
شاعروں اور نشیون پر نکتہ چینی کیجیے

نئے تمیزی ابنائے زمان

از رہ فخر آئینہ سے یہ ہیرے نے کہا
ہر وجود اسے بتدل تیرا برابر اور عدم

جنس تیری کس بہر سزا رفتہ قیمت ہی بیج
دے کے دھوکا تو اگر الماس بن جائے تو کیا
مسکرا کر آگینہ نے یہ ہیرے سے کہا
مجھ میں اور تجھ میں مگر کر سکتے ہیں جو امتیاز
تیرے جو ہر گوشت میں موجود اپنی ذات میں

تیرے پائے کی خوشی کچھ اور نہ کم ہونی کا غم
امتحان کے وقت کھل جاتا ہو سب تیرا بھرم
گو کہ ہے ترس ترا مجھ سے بڑے غم
ہیں بتھرا لیے اس بازار نا پرسان میں کم
تجھ سے اے الماس لیکن اچھے پڑتے ہیں ہم

ایک خود پسند امیر زادہ کی تضحیک

کہتے ہیں اک امیر زادہ کو
خصلتیں جو امیر زادوں میں
گو کہ رکھتا نہ تھا ہنر کوئی
کچھ نہ تھا پر سمجھتا تھا سب کچھ
واہ واسنتے سنتے یاروں کی
انگریزوں ایک در صحر میں
مشق تیرا فلکی میں تھا بصورت
آکے دیکھا جو اک ظریف حال
تیرے جتنے کمان سے چھوٹے
جا کے بھولے سے بھی نہ پڑتا تھا
ایک جاتا تھا چھٹے سوئے شمال
کچھ جو شوخی ظریف کو سوچھی
خاک تو دے پہ جا کے ہو بیٹھا
ناوک انداز بولا حیلہ لا کر

تھا خدنگ افگنی کا شوق کہیں
لازمی ہیں وہ اس میں بھی سب حقین
اس پہ تھا خود پسند اور خود بین
علم تیرا کمان میں اپنے تئیں
ہو گیا تھا ہنر کا اپنے یقین
جب کہ تھے ساتھ سب جلسہ فرین
کر رہے تھے خوشامدی تحسین
جب تحسین ہوئی نہ ذہن نشین
پائے سب بے اصول مجھے آئین
تیرا آجگہ کے کوئی مسترین
ایک جاتا تھا چھٹے سوئے بین
رکھ کے بالائے طاق سب تکین
لوگ کرتے رہے چنانچہ چین
کوئی تھکا جنوں ہے اے مسکین

یا خفا ہو کے گھر سے آیا ہے
عرض کی چارہ کیا ہوا سکے سوا
زود سے ان بے پناہ تیروں کی
مجھ کو ہر پھر کے شش بہت ہیں چھوڑ
یا کہ دد بھر ہے تجھ کو جان ترین
جبکہ جاے گریز ہو نہ کہین
کہین جان دار کو امان نہیں
امن کی اک جگہ ملی ہے بہین

پولٹیکل اسپین

لے بزمِ مفیرانِ دَول کے سخن آرا
یہ سچ ہو کہ جادو ہر بیان میں کر لیکن
ظاہر ہو نہ غصہ میں بیان سے تری بخش
ہے دلمین نہان ایک شکایات کا طوبا
جو صلح کی باتیں ہیں ہین ہندو شیرین
گر سوچئے تو سیکڑوں پہلو ہین مفر کے
دل کی تری ہوتی ہیں معلوم کوئی بات
کھلتا نہیں کچھ اسکے سوا تری بیان سے
تھے لبے اظہارِ پاب آکے کھلایہ
ہر غرور دو کلان تیری فصاحت پہ قدم
کچھ سحر بیانی کا تری ڈھنگ نیا ہے
نئے لطف میں کچھ طرزیان اس سے جدا
اور لب پہ جو دیکھو تو نہ شکوہ نہ گلا ہو
اور جنگ میں کچھ لطف سخن اس سے سوا ہو
اور سنئے تو زنجیر دن سے ہر قون بند تھا
گو نگاہنیں گویا نہین کیا جانے کیا ہو
اک منع ہو خوش لہجہ کہ کچھ بول رہا ہو
انسان کو اخفا کے لیے لطف ملا ہو

بدی کر کے نیک نامی کی توقع کھنی

نامِ نصف بے رحم تھا اک ضلع کا حاکم
جب دورہ کو اٹھتا تھا تو دیہات میں جا کر
ہین پر گنہ کے لوگ سمجھتے ہمیں کیسا
تھی اس کی مثال ایسی کہ اک شخص ہر آواز
برتا دے نالان تھی بہت جسکے رعیت
تھا پوچھتا ایک ایک سے ازراہ شرارت
کرنے ہین ہماری وہ ستائش کہ مذمت
جسکو کہ خود آواز سے تھی اپنی کراہت

گاتا تھا کھڑا ہو کے اور آواز کے پیچھے ہر بار لپکتا تھا بصد تیزی و سرعت
ہو رہا کہ یہ معلوم کہ ہے دور سے میری آواز خوش آئند و یا قابل نفرت

تفاخر سے نفرت کرنے پر تفاخر

زاہد نے کہا نہ زینت و اسباب پہ جو لوگ اتراتے ہیں۔ اک انکھ مجھے وہ نہیں بھاتے
حالی نے کہا جن کو ہوا اترنے سے نفرت اترانے کے وہ اس طرح نہیں ناک چڑھاتے

سید احمد خان کی تکفیر

غفلت اقوال ہیں اسلام کی تعریف میں بعض کے نزدیک تو حیلہ اسکی حد تام ہے
ہے مگر جہو کے نزدیک مرد و قول جو میں قائل اسکے اُن پر کفر کا الزام ہے
کیونکہ اس سے ماننا پڑتا ہو اُس رحمت کو عام جس سے غیر اہل قبلہ جو ہو وہ نام ہے
بعض کہتے ہیں کہ شر سے تیز و سب ایم ہیں بس مسلمان دین اری اسکی نام ہے
پر یہ حد بھی جامع و مانع نہیں انھوں پر کہتے ہیں اسلام جو سمجھے اُسے وہ خام ہے
ایمنی کا مستحق ہے خاکر اپنا گردہ اور سب کا لفظ یا راغیا سب کے عام ہے
بعض کہتے ہیں شعا را اسلامو کہو لباس جو لباس غیر پہنے خارج از اسلام ہے
بعض بتلاتے ہیں کچھ اور بعض فرماتے ہیں کچھ حصر کرنا ان تمام آرا کو مشکل کام ہے
مذہب منصوبہ لیکن بیان کرنا ضرور جو مسلم آج کل نزدیک خاص عام ہے
اہل حل و عقد میں متفق اس امر پر سید احمد خان کو کافر جانا اسلام

قرض لیکر حج کو جانیکی ضرورت

قریب موسم حج قرض لے کے اک دینار چلا بہ نیت حج گھر سے سوے بیت اللہ

۱۷

اقوال

عظیم

سبوت

ان جو

اسکو

منظور

ہیں

کہا یہ اس نے اک آزاد نے کہ اے حضرت
کہ قرض لیکے چلے ہین جھڑوسے حجاز
ننان و نفقہ فرزندوں سے حنا طر جج
سنا یہ۔ اور بہت ترشش ہو کے فٹرایا
وہ بادشاہ کہ جو دشمنوں کو دیتا ہے
خبر نہ لے گا وہ کیا اپنے میمانوں کی
جھینیں فراغت تنگی میں ہو اُسی سے امید
وہ سن کے بولا کہ ناخواندہ میمانوں کو
فولیل ہوتے ہین جو رین بلائے جاتے ہین
یہ سن کے شیخ نے دیکھا ادھر ادھر کہ کہیں
بلا کے پاس پھر آہستہ اُس سے فٹرایا
قدم ہو پختے جھانگ ہین بختہ کارون کے
خدا کے حکم ہین مبنی تمام حکمت پر
ناز و روزہ ہو۔ یا ہو طواف و سرفروغ
اسی طرح یہ وسیلے معاش کے ہین تمام
مگر سلیقہ و تدبیر شرط ہے۔ ورنہ
یہ کہنے سننے کی باتیں ہین برخوردار

کیا ہے آپ کو شاعر نے جبر یا اگر اہ
وطن میں چھوڑ کے اطفال کو بجال تباہ
نہ زاد و راجلہ کا ساز و برگ خاطر خواہ
کہ روکتا ہے مسلمان کو حج سے لے گمراہ
تنگین و خاتم طبل و نشان و تخت و کلاہ
ہو پختے جو کہ ہین طے کر کے بڑ بھڑکی راہ
جھینیں سلامت و آفت میں ہو اُسی کی پناہ
امید لطف کی رکھنی ہے میزبان سے گناہ
طفیلیوں کی ہنین دعوتوں میں عزت و جاہ
ہو مدعی نہ بکس میں یان کوئی اہم سر
ابھی زمانہ کی چالوں سے تو ہین آگاہ
جوان خام کی دانتک ہین ہونچتی نگاہ
فتوح جنہن ہو دنیا و دین کی خاطر خواہ
حصول جیسے کہ ہوتا ہے ان سے قرب الہ
نہ جنہن چاہیے محنت نہ کوشش جانکاہ
ہزاروں پھرتے ہین حجاج سادہ لوح تباہ
وگرنہ علم معیشت وسیع ہے واللہ

آزادی کی قدر

قدردان اُن سے بہت بڑھکر ہین آزادی کے ہم
قدردان آزادی کی جتنی ہیکو ہوا اتنی ہے کم

ایک ہندی نے کہا حاصل ہو آزادی جنہین
ہم کہ غیروں کے سدا حکوم رہتے آئے ہین

عافیت کی قدر ہوتی ہے مصیبت میں ہوا
تُرف الاشیاء بالاضداد ہے قول حکیم
سن کے اک آزاد نے یہ لاف چپکے سو کہا
ہیذا کو ہے زیادہ مسترد دنیا رو درم
دیگا قیدی سے زیادہ کون آزادی نیم
ہے شقر موری کے کیڑے کے لیے بلخ ارم

انگلستان کی آزادی اور ہندوستان کی غلامی

کہتے ہیں آزاد ہو جاتا ہو جب لیتا ہو سانس
اسکی سرحد میں غلام نے جو ہن کھا قدم
قلب باہیت میں انگلستان ہے گر کیسیا
آن کر آزاد یا ان آزاد رہ سکتا نہیں
یاں غلام اگر کر است ہر یا انگلستان کی
اور کٹر پائون سو ایک لک کے ٹری گر پڑی
کم نہیں کچھ قلب باہیت میں ہندوستان بھی
وہ رہے ہو کر غلام۔ اسکی ہوا جنکو لگی

سید احمد خان کی مخالفت کی وجہ

سید احمد خان کے اک منکر سو یہ پوچھا کہ آپ
کافر و ملحد ہمیشہ اسکو ٹھہراتے ہیں آپ
آپ بھی (نام خدا) ہیں تارک صوم و صلوٰۃ
خود نبوت پر مئے ہیں ہم نے ابراد آپ کے
چشم بدور آپ کا بھی جب کہ ہر مشرب و مسیح
سن کے فرمایا "اگر ہو پوچھتے انصاف سے
لیج کچھ اس کا نہیں جکو کہ وہ ایسا ہو کیون

کس لیے سید سے صاف ابو حضرت اللہ نہیں
ثابت اسلام اسکا نزدیک کی گویا نہیں
اور سلوک اسلام سے خود آپ کا اچھا نہیں
اور الوہیت سے بھی دل جمع حضرت کا نہیں
پھر یہ سید پر تبر آپ کو زیم با نہیں
بات یہ ہو سن لو صاحب تم سے کہ پوچھ نہیں
بلکہ ساری کو فت ہر اسکی کہ میں ویسا نہیں

۱۔ یعنی جسطرح موری کے کیڑے کو موری میں آٹام تھا ہر اورد جان سے کہیں جائے نہیں پانچویں سی طرح
جو تو یہ ہمیشہ محکوم رہتی چلی آتی ہیں وہ غلامی ہی میں خوش رہتی ہیں ۱۲

قحط اہل اللہ

کل خانقاہ میں تھی حالت عجیبی
 دنیا سے اٹھ گئے سب تھے مریدِ صادق
 جو تھا سو ختم پریم اپنا تھا یا پریا
 یہ کہ کے شج کا دل بیساختہ بھرا یا
 ہمنے کہا میری باقی رہی نہ پیری
 یہ کہ کے ہم بھی روئے اور اُس کو بھی سلایا

نو کروں پر سخت گیری کرنیکا انجام

ایک آقا تھا ہمیشہ نو کروں پر سخت گیر
 بے سزا کوئی خطا ہوتی نہ تھی انکی معاف
 حسن خدمت پر اصفانہ یا صلہ تو درکنار
 پاتے تھے آقا کو وہ ہوتے تھے جب اس سے دوچار
 تھی نہ جز نتخواہ نو کر کے لیے کوئی فتوح
 رہتا تھا اکا اک شہ لٹا نامہ نو کر کے پاس
 اگر رعایت کا کبھی ہوتا تھا کوئی خواستگار
 حکم ہوتا تھا بخر لٹا نامہ دکھلا دہین
 وان سو اتخواہ کے تھا جسکا آقا ذمہ دار
 دیکھ کر کاغذ کو ہو جاتے تھے نو کر لاجواب
 ایک دن آقا تھا اک مٹھ زور گھوٹے پر سوار
 دفعۂ قابو سے باہر ہو کے بھاگا گارا ہوار
 کی بہت کوشش نہ چھوٹی پانوں سے لیکن کباب
 تھا مگر سائیس ایسا سنگدل اور بیونہا

در گذر تھی اور نہ ساتھ انکے رعایت تھی کہیں
 کام سے مہلت کبھی ملتی نہ تھی ان کے تئیں
 ذکر کیا۔ نکلے جو پھوٹے منھ سے اُسکے آفرین
 نکتے پھوٹے منھ چڑھا۔ ماتھے پر بلبل و چین
 آکے ہو جاتے تھے خاشاک کہ ہوتے تھوڑے
 فرض حسین نو کر اور آقا کے ہوتے تھوڑے
 زہر کے پیتا تھا گھونٹ آخر بجائے انگبین
 تاکہ یہ درخواست دیکھیں حاجی ہر پانہین
 تھیں گرین جتنی وہ ساری نو کر دیکھے یہ تھیں
 تھے گمردہ سب کے سب آقا کے مارا ستین
 تھک گئے جب نو کر کرتے کرتے دست نازنین
 اور گرا اسوار صدر زین سے بالائے زمین
 کی نظر سائیس کی جانب کہ ہوا کر سچین
 دیکھتا تھا اور سس سوس نہوتا تھا لعین

دور ہی سے تھا اُسے کا غد دکھا کر کہہ دیا دیکھ لو سرکار اس میں شرط یہ لکھی نہیں

نیشن کی تعریف

یہ ہے مانی ہوئی تہذیب کی راہ
کہ نیشن وہ جماعت ہے کم از کم
مگر وسعت اسے بعضوں نے دی ہو
وہ نیشن کہتے ہیں اُس بھیر کو بھی
زبان اس کی تہذیب مفہوم اُس کو
جو واحد لا شریک اس کا خدا ہو
اسی پر ہے جہان کا اتفاق اب
زبان جسکی ہو ایک انٹرنیشنل مذہب
نہیں جو بلے میں اپنی مذہب
کہ جسمیں وحدت میں مفقود ہوں سب
ہوں آدم تک جدا سب کے جدا اب
تو لا کھوں اُس کے ہوں معبود اور تہ

صفائی نہ رکھنے کا عذر

راہ سے گزرا کہیں سیلا کچلا اک غلام
عرض کی ایک اکوان چو جین کا ملک غیر
جو ہیں آزاد اور صفائی کا نہیں رکھتے خیال
کیونکہ جسم آدمی میں پیش اہل معرفت
اُس کے میلے پن پہ لوگوں نے ملامت اُسکو کی
اختیار اسکی صفائی کا نہیں رکھتے رہی
عذر میلے پن کا شاید بھی لکھتے ہوں یہی
کوئی چیز اس کی نہیں ہے امانت گور کی

دنی کی شاعری کا تنزیل

اک درست حالتی کے کہا از رو نصاف
چند اہل زبان جنکو کہ دعویٰ تھا سخن کا
شاعر کو یہ لازم ہے کہ ہوا اہل زبان سے
معلوم ہے۔ حالی کا جو ہے مولد و منشا
کہرتے ہیں پسند اہل زبان اس کے سخن کو
بوسے کہ نہیں جانتے تم شعر کے فن کو
ہو چھو نہ گئی غیر زبان اُس کے جوہن کو
اُردو سے بھلا واسطہ حضرت کے وطن کو

اُردو کے دھنی وہ ہیں جو دلی کو ہنٹے
بلبل ہی کو معلوم ہیں انداز چین کے
حالی کی زبان گزشتہ نسرت لہن ہو
ہر چند کہ صنعت کے بنائے کوئی تافہ
مانا کہ ہے بیاختہ پن اسکے بیان میں
یہ دوسرے حالی کے سنی جبکہ تعلی
کچھ شعر تھے یاد اُن کے پڑھے اور یہ پوچھا
سچ یہ ہے کہ جب شعر ہوں سرکار کے ایسے
حالی کو تو یہ نام کیا اُس کے وطن نے

پنجاب کو مس اس سے نہ پورب دکن کو
کیا عالم گلشن کی خبر زانغ و زغن کو
خالص نہ تو کیجیے کیا لے کے لہن کو
ہونچے گانہ وہ نافذ آہوئے خستہ کو
کیا پھونکیے اس ساختہ بیاختہ پن کو
حق کہنے سے وہ رکھ نہ سکا بازو ہن کو
کیون صاحبو عزت اسی اُردو سے ہون کو
کیون آپ لگے مانتے حالی کے سخن کو
پر آپ نے بدنام کیا اپنے وطن کو

بیٹیوں کی نسبت

جاہلیت کے زمانہ میں یہ تھی رسم عرب
سنگدل باپ سے گوئیے لیکر ان کی
رسم اب بھی ہی دنیا میں ہو جاری لیکن
لوگ بیٹی کے لیے ڈھونڈتے ہیں جب پیوند
ایسے گھر بنایا ہے بیٹی کو جو ہو آسودہ
جانے پہچانے ہوں سمہیانہ کے سارون
ایک ہی شہر میں ہوں دونوں گھرانے آباد
جیسے جی مرگئی بس ان کی طوت سے گویا
چھان بین اسکی تو کرتے ہیں کہ گھر کیسا ہو
بومزاجی ہو۔ جہالت ہو۔ کہ ہو بد چلنی

کہ کسی گھر میں اگر عورتی تھی پیدا دختر
گاڑ دیتا تھا زمین میں کہیں زندہ جا کر
جو کہ اندھے ہیں یہ کہ نہیں کچھ انکو خبر
سب سے اول انھیں ہوتا ہے یہ منظور نظر
اور مہ و مہر سے جو ذات میں ہو افضل تر
اُن کے معلوم ہوں عادات و خصائل کس
دو دنوں۔ نزدیک قرابت میں ہوں ماہر پگر
جاکے پر دیس میں بیٹی کو دیا یا اگر
پر نہیں دیکھتا یہ کوئی کہ کیسا ہو پر
کچھ بُرائی نہیں۔ ڈھونڈتا ہو داماد اگر

وہ یہی ناشدنی دیت ہو جس کے کارن
جاہلیت میں تو تھی اک یہی آفت کہ دہان
سیا تھ بیٹی کے مگر اب پدر و ما در بھی
اپنا اور بیٹیوں کا جبکہ نہ سوچیں انجام
بکریاں بھیڑیوں سے باقی ہیں پیوند اکثر
گاڑو بجاتی تھی بس خاک میں تنہا خستہ
زندہ در گور سدا رہتے ہیں اور خستہ جگر
جاہلیت سے کہیں ہو وہ زمانہ بدتر

سید احمد خان کی تصانیف کی تردید

اک مولوی کہ تنگ بہت تھا معاش سے
وہ شہر شہر نوکری کی ٹوہ میں پھسرا
اخبار بھی نکال کے بخت آزمائی کی
روزمی کی خاطر اس نے کیے سیکڑوں جتن
راہ طلب میں جب ہوئی سرشتگی بہت
جھک کر کہا یہ کان میں اس کے کہ آجکل
جاد اور لفظ لفظ کو اس کے چھپے رکھ
پھر دیکھنا کہ اس وچپ و گرد و پیش سے
دنیا طلب کو چاہیے ایکہ سرب ہو
برسون رہا تلاش میں وجہ معاش کی
لیکن نہ اس کے ہاتھ کہیں نوکری لگی
تذہیر بھی اس کی نہ تقدیر سے چلی
پیر کی کہیں نصیب سے اس کے نہ یاوری
اک خضر پے خستہ نے کی آ کے رہبری
سنتا ہوں چھپے ہی ہو تصانیف احمدی
تردید اسکی چھاپے جو ہو بڑی بھلی
لگتی ہو کیسی آ کے زرویم کی جھبڑی
دنیا پہ جب تک کہ مسلط ہے ابلیس

یقین

آتی نہیں ہے شرم تجھے اے خدا پرست
جی میں ترے ہزاروں گذرتے ہیں سو سے
تجھ سے ہزار مرتبہ بہتر ہے بت پرست
وہ بانگتا توں سے مرادین ہے عمر بھر
دل میں کہیں نشان نہیں تیری یقین کا
ہوئی نہیں قبول تری ایک اگر دعا
جسکا یقین ہے تیرے یقین سے کہیں سوا
گو حاجت اس کی اُن سے ہوئی ہو نہ ہو

آج نہیں یقین میں اس کے کبھی تصور امید اس کی روز فزون ہے اور التجا
تو بندہ غرض ہے۔ وہ راضی رضا پہنچ وہ ہے کہ یہ ہے بندگی ہاے بندہ خدا

استفادہ

لیجئے بھیک دوڑ کو گرو گداگری کا یہ جس سے ملے جان ملے جوئے اور جیٹے
ہے یہی اصل کتاب ہو جو سبے مستفید زک ملے۔ یا سزا ملے۔ در لے ادب ملے

لایق آدمی دوست اور دشمن دونوں سے
فائدہ اٹھا سکتے ہیں

قول ایک حکیم کا ہے کہ اگر غور کیجئے
دل تو سوچتا ہی نہیں عیب دست کو
پہر ایک بار دشمن اگر دیکھ پائے عیب
دشمن سے بڑھ کے کوئی نہیں آدمی دوست
اور دوست سے زیادہ نہیں کوئی بیگال
گو قول ہے ستین پہ جو تھی سخن کی تہ
دشمن کے جو کہ طعن سے ہوتے ہیں مستفید
اور جو کہ دوست سے نہیں سن سکتے اپنے عیب
جن کو خدا نے جوہر قابل دیا ہے یا ان

ہے حق میں سب کے دوست دشمن مفید تر
اور سوچتا ہے تو نہیں لاتا زبان پر
سو سو طرح سے وہ اسے کرتا ہے جلوہ گر
منظور اپنے حال کی صلاح ہو اگر
رکھتا ہو جو کہ دوست کے عیب اس سے مستتر
افسوس ہے حکیم کی پہونچی نہ ورنہ سر
عیب انکے دوست کی نہ نہ تائینگے بے خطر
وہ دشمنوں کے طعن سے کیا ہونگے ہو در
موقوف عبرت انکی نہ دشمن نہ دوست پر

سخن سازی

ہے مرد سخن ساز بھی دنیا میں عجب چیز ^{ساز} پاؤ گے کسی فن میں کہیں بندہ اُس کو
موجود سخنگو ہوں جہاں ان میں طیب آپ ^{ساز} اور جاتے ہیں بن آپ طیبوں میں سخنگو
دونوں میں سے کوئی نہ تو آپ ہیں سب ^{ساز} پر ہیچ ہیں جس وقت کہ موجود ہوں دونوں

عقل اور نفس کی گفتگو

نفس کو عقل نے چاہا کہ کرے خوار و زبور
کہا اے نفس نہیں تجھ میں مال اندیشی
ہے غنیمت تجھے وہ رات کی دم بھر کی خوشی
سود سے کچھ تجھے رغبت نہ زیان سے ہیز
نہیں غفلت میں تجھے دین نہ دنیا کی خبر
نہ جوانی میں تجھے صبر نہ پیری میں شکیب
کہیں جائے نہ بھٹک منزل مقصود سے تو
ہاتھ دھولت فانی سے۔ نہیں گر منظور
نفس نے عقل سے کی عرض کئے خطر پر
پر نہیں حکم ترا کوئی۔ عمل کے متا بل
نقد کو چھوڑنا اور نہ یہ کی رکھتی امید
ہے یہ ایک ایک مری لذت ثانی وہ بلا
ایک اب بھوکے سے کہتا ہو کہ لے قابض عام
کیونکہ امید پہ اک ماندہ نعمت کی

اپنے دعویٰ پر بیان کر کے دلیل بہان
درد میں تیرے۔ اسی واسطے سبے درمان
جس کا آئینہ نظر مشیر از صبح زیان
تیرے نزدیک ہو درد اور دوا سب کیسان
یہ بھی ہے نیند کوئی موت کا ہر چہ لگان
کبھی ہوتا نہیں کم تیری خودی کا طوفان
دیکھ جاتا ہو کہ صر اور نگھے جانا ہے کمان
عیش باقی و حیات ابدی سے حرمان
و غطر پر تیرے ہو زیبا کہ خدا کیجے جان
گو کہ حکمت سے بھرا تیرا سر ہے بیان
کوئی تسلیم کرے گا نہ اسے جسے تادان
سو حیاتیں ابدی تیری ہیں جبر قربان
ایک معمول سے کرتا ہو پس از سال روان
سال بھر صبر کرے گشتگی میں انسان

عقل نے سُن کے کہا خوں ہو تجھے انفوس
حق کے پیر ایہ مین ہوتا نہیں باطل سرسبز
جان بلب بھوک سے ہو گرسٹہ بالفرض اگر
نہ کہیں بھوک مین کھا بیٹھو یہ رقمہ لغتد
خزیرہ تیرا تھکے دیکھے پہونچائے کہاں
کیجئے لاکھ بیان اسپہ ذلیل و برہان
زہر دانستہ کرے نوش۔ نہیں یہ امکان
اسکے کھا نہیں نہیں جان کی خیر ادا دان

عادت کا غلبہ عقل پر

دیکھ عادت کا تسلط مین نے عادت سے کہا
ہنسکے عادت نے کہا کیا عقل ہو مجھے الگ
گھیر لی عقل صواب اندیش کی سب قے نے جولے
مین ہی بن جاتی ہوں نادان فتنہ رفتہ عقل ولے

شعرا کو سلطنت مین دخل دینا

سنئے ہیں یہ اک مُدبر کی ہے رائے
شاعرون کو سلطنت کا بیجے کرن
رائے صائب ہو بظاہر اور متین
شعروانشا کو تو ہو شاید فروغ
سلطنت کا پر خدا حافظ ہو۔ جب
ادرجودہ شاعر ہیں ہندوستان کے
ایک پر انہیں سے چل سکتا نہیں
ایک جب چلنے نہ دیگا ایک کی
”چاہئے گردنِ علم زبان
چنہ اسکی سب کانین ہیں عیان“
گو کیا اس کا نہیں کچھ امتحان
ہو بہت کم برخلاف اسکے گمان
شاعرون کے ہاتھ ہوا اسکی عنان
شعروانشا کو بھی ہو خوش زبان
دوسرے کا جادوے حسن بیان
پھر ترقی شعروانشا کی کہاں

لوگ کسی کی خوبیاں سُن کر اتنے خوش نہیں ہوتے جتنے کہ اسکے عیب شکر

اپنے عیبوں کے ہیں ہم جتنے کہ منوں حالی
اسقدر خوبوں کے اپنے نہیں شکر گزار

لوگ جب عیب ہمارا کوئی سن پاتے ہیں
پرخوشی کا ہو یہ عالم کہ ہورنج ان کو کمال
اور جو ہو گوش زد ان کے کوئی خوبی اپنی
دل میں ہوتا ہو مگر غم کا یہ عالم اُنکے
سدا حمد کہ مخلوق کے خوش کرنے کا
گو کہ کرتے ہیں تاسف کا بظاہر ظہار
گر نصیبوں سے وہ افواہ غلط پائے قرار
خوش تو پڑتی ہو نبائی انھیں صبر و عافیت
کہ ملال اپنا چھپا سکتے نہیں وہ زہار
نفس میں اپنے ہو سامان بہت کچھ تیار

شایستہ لوگوں کا برتاؤ سائل کے ساتھ

عادت تھی اک فقیر کی کرتا تھا جب سزا
مذت تک اسکی جب بھی دیکھی گئی روش
بولاکہ عادت اس لیے کی ہے یہ اختیار
پہلے جو بھاگواؤن سے ملتی تھی روز بھیک
پر جب سے ہو سوال کا اُس قوم پر مدار
امید ہے کہ مانگنے کی چھوٹ جائے لت
آیا جواب سُن کے یہ اُس کا بہت پسند
نیٹوہیں جو کہ ملک میں تعلیم یافتہ
انگریز اگرچہ ہند یون کے حق میں ہر خیال
پر جو کہ دیسیوں میں ہین تعلیم یافتہ
انگریز اتنے اجنبیوں سے نہیں نفور
اہل غرض پہ کاٹنے کو دوڑتے ہیں یہ

انگریز کے سوانہ کسی سے بھتا مانگتا
پوچھا کسی نے اُس سے کہ اسکا سبب کیا
چھٹ جائے تاکہ مجھ سے یہ لپکا سوال کا
آتا تھا مانگنے میں بہت بھیک کے فرا
منت سے عجز سے کبھی ملتا نہیں ٹسکا
گر چند روز اور رہا ان سے سابقہ
کی آفرین اور اُس کے مخاطب نے یون کہا
حق میں ترے مفید ہیں یہ اُن سے بھی سوا
اہل وطن پہ اُن کی مگر جان ہے خدا
دل بھائیوں پہ بھی نہیں ان کا پسچتا
جتنے کہ یہ عزیز عزیز دن سے ہین خفا
شایستگی کا زہر ہے جب سے انھیں چڑھا

اسراف

ایک مسرت نے یہ ممکن کہا
کب تک اے نادان یہ خیال مرز

گستاخِ عمر و زید بھی کتنا ہو عیتِ مین
یہ اُس کا اور رہا اس کا بیان کئے کوئی
غبت۔ امید ہو کہ نہوتی جہانِ مین
حالی جو تیرے کھول ہے مین جہانِ مین
یعنی کہ لا کھڑے نہیں کوئی چھپاؤ عیب
الفصہ جسکو دیکھیے جاہل ہوا حکیم
بد ہو کہ نیک اسکی زبان کھینچا
ہر اک ہو اپنی اپنی بڑائی نکالتا
ہوتا اگر یہ خاک کا پتلا نہ خود ستا
شاید کہ اُس سے آپ کا ہو گایہ مدعا
اپنی نظر سے رہ نہیں سکتا کبھی چھپا
آزار مین خودی کے ہو بجا رہ بیتلا

حملہ نفس

ہم سمجھتے تھے کہ نفس مین ہمارے بس مین ہو
پر جو دیکھا غور سے وہ بھبکیاں تھیں نفس کی
جب کیا حملہ دے بہشتِ ل نے ہتھیار ڈال
گر کبھی حملہ پے اُسکے غالب آجاتے تھے ہم
جن کو نادانی سے حملہ اُسکے ٹھہراتے تھے ہم
زور بازو پر ہمیشہ جس کے اتراتے تھے ہم

جس قوم مین افلاس ہو اُس مین بخل اتنا بد نہا نہیں جتنا اسراف

حالی سے کہا ہے کہ ہر اس کا سبب کیا
لیکن بخلات آپکے سبب گلے سخنور
اسراف بھی منہم ہو۔ پر بخل سے کمتر
حالی نے کہا ہے کہ نہ پوچھو سبب اسکا
کرتے تھے بخیلون کو ملامت سلفِ ہوت
وہ جانتے تھے قوم ہو جس وقت تو نگر
اور اب کہ نہ دولت ہے نہ ثروت نہ اقبال
فرغِ بخت کی ہو اب قوم کو ایسی
جب کرتے ہو تم کرتے ہو مشرت کی بدست
جب کرتے تھے کرتے تھے بخیلون کو ملامت
ہو جس سے کہ انسان کو باطبع جلوت
یارِ دلق کیلئے ہو یہ بیان ہو جبرِ قوت
جب قوم مین افراط سو تھی دولتِ ثروت
پھر اس مین نہیں بخل سو بدتر کوئی حُصوت
گھر گھر ہو چھپا ہوا افلاس و فلاکت
پر داز کی ہو جو بیٹون کی جیسے ہدایت



رؤسائے عہد کی فیاضی

کی رئیس شہر کی تعریف یاروں نے بہت
 بوئے آج اُس کا نہیں مہمانی نئی میں نظیر
 ضلع کے حکام کا ادنیٰ اشارہ چاہیے
 یادگارین جتنی ہیں اعیانِ دولت کی نہیں
 بالکی یاد گینٹ ہو جو سواری اُس کے پاس
 کیا کلکڑ کیا کشتربا سپاہی کی غسٹ
 جب یہ دیکھا مج کا دستِ نہیں ہوتا نام
 عیب بھی اُس کا کوئی آخر کو یاد بیان

برسبیل تذکرہ باہم جو ذکر اس کا چلا
 عالمانِ شہر مدعو اُس کے رہتے ہیں سدا
 پھر کوئی دیکھے سخاوت اُس کی اور بذلِ عطا
 انہیں صرف اُس کی قسم ہو سب کے چند سو سدا
 اہلکاروں کے لیے ہو وقف بے چون و چرا
 اُس کی شہرت میں سب مداح بے رود و ریا
 جوڑ کر ہاتھ اُن سے حالی نے بصدقت کہا
 سنتے سنتے خیالِ جی اپنا ملانے لگا

ایمان کی تعریف

فقیر شہر نے ایمان کی جو کی تعریف
 کہا "فتیلہ" مسترار باللسان ہو ضرور
 کہا کسی کہ نکلا ہو اندون اک تیل
 تو دی چراغ سے اُس کو یاب و تابال
 جہان ہوا آتشِ تصدیق و مرغِ اعمال
 نہیں ضرور فتنہ کا جہین استعمال

برکتِ تہنات

کہہ رہا تھا یہ اک آزاد کہ ہو جنہیں ملاپ
 دولت و بخت ہو ہر حال میں اُن کے ہمراہ
 لیکن کرو سیرِ آمل جو بغیر بی کے بھی جن
 سکتا ہو گویا عجیب کے نزدیک اقرار باللسان ایمان کی

نہ اٹھیں حاجت اعوان۔ نہ تلاش انصار
 پر۔ نہیں رابطہ جس قوم میں اور بھیتی
 نہ بلاذ ان کے لیے قلعہ نہ خندق نہ بھیل
 ایک لٹانے سنا جب یہ سخن بسرایا
 اتفاق اور نفاق اصل میں کچھ چیز نہیں
 دان نہ ملت کی ضرورت ہو۔ نہ کچھ پھوٹ کا ڈر
 کہا آزاد نے سچ ہے کہ وہ دے ساتھ اگر
 پرستھے خوب ہو اند کی عادت معلوم
 نہ اٹھیں خوف بربادیش نہ بیم بدخواہ
 اسکی دنیا سے یہ سمجھو کہ گئی عزت و جاہ
 نہ مفید ان کے لیے فوج نہ لشکر نہ سپاہ
 تکیہ اور اس قدر اسباب پہ کرنا ہر گناہ
 دست قدرت کے ہے سب ہاتھ سفید اور سیاہ
 پڑ گئی فضل کی مولا کے جدھر ایک نگاہ
 کر دین اسرار پر اگندہ جماعت کو تباہ
 اسکو جب لکھا ہو۔ دیکھا ہو چھون کے ہمراہ

بعد صوری مانع قرب معنوی نہیں ہر

حالی نے جو رہنے کے لیے شہر میں اک گھر
 جب اہل غلہ سے چلا ہو کے وہ رخصت
 ہمسایہ و احباب لگے کرنے سب انوس
 بی۔ کہ جو بے عقل ہو دم دیتی ہے گھر پر
 حالی نے کہا انس ہو چڑ اور ونا اور
 اُس مہر و وفا کے نہیں بی پر پڑی چھینٹ
 ہم غش ہیں مکیوں پہ وہ عاشق ہو مکان کی
 گھر دین ہو یاروں کا تو پھر گھر ہے برابر
 جا اپنے محلہ سے کہیں دور بسایا
 دل درد جدائی سے عزتوں کا بھر آیا
 اک دوست شکایت ہو سخن لب پہ یہ لایا
 اتنی بھی محبت تھیں گھر سے نہیں آیا
 بی نے مزہ پھل کا دنا کے نہیں پایا
 کتنے ہے جس کا کہ سبق ہو کر پڑھایا
 گھر بھول گئے ہم تو نہیں تسکو بھلایا
 مشرق میں بنایا ہو کہ مغرب میں بسایا

ناصح مخلص اور اہل غرض میں تمیز

منصو نے چچر صادق سے عرض کی
 "محتاج ہے ہمیشہ سے ناصح کا ہر بشر"

کرتے رہیں گرا آپ کرم مجھ پہ گاہ گاہ
فرمایا ہوتے ہیں تری صحبت میں جی شریک
اور جن سے ہو امید نصیحت نہ ہائیں
ہوتا رہوں گا بند سے حضرت کی بہرہ ور
لائیں گے وہ نہ صرف نصیحت زبان پر
صحبت میں بیٹھنے سے گرین گے تری مدد

خادم آقا کی خدمت میں کیون گستاخ ہو جاتے ہیں

کہتے ہیں خدام مامون کے بہت گستاخ تھے
دکوئی آقا جبکہ خوش اخلاق ہوتا ہو بہت
پر جو سچ پوچھو تو ہونا خادموں کا شوق چشم
اُس نے گویا ڈھا دیا رکنِ رکنِ اخلاق کا
ایک دن خادم کی گستاخی پہ مامون نے کہا
پیش خدمت اسکے بد اخلاق ہوتے ہیں سدا
ہو دلیل اسکی کہ ہو خود خلق آست کا بُرا
اُس نے گویا ڈھا دیا رکنِ رکنِ اخلاق کا

- خوشامد کرنے کی ضرورت

متوکل کا تیر چڑیا پر
ابنِ حمدون ندیم تھا حاضر
جن کو خلق خدا پہ شفقت ہے
جانہ سکتی تھی بچ کے تیر سے وہ
ابنِ حمدون نے کی یہ دانائی
دور بھٹا در نہ کیا خلیفہ سے
جائے کنجشک ابنِ حمدون پر
ابنِ حمدون کی جان گوجاتی
رعیت پر نا اہل کو مسلط کرنا
ہارون نے کہا مصر لگا ہاتھ جلا سکے
فرعون کا تھا مصر ہی نے مغر چاہا

عصمت بی بی از بے چادری

ابے بیواؤ نہتے ہو کیا مغموم تم
اخلاق میں کچھ اُن کے اگر آگیا بگاڑ
تم زد سے نفس کی ہو چھٹی ہانچے ہوئے
ہو جب تلک کہ بکڑے ہو مفلسی کی آڑ
اسباب جو کہ جمع ہیں کم کر دو پیش
گر تم کو نصیب ہو دنیا کو دو اجاڑ

سچ کہاں ہے

دیکھنے ہوں تھیں گر جھوٹ کے انبار لگے
دیکھ لو جا کے خزانوں میں کبتی انوں کے
سچ کو تحریروں میں پاؤ گے نہ تقریر و نین
سچ کہیں ہو تو وہ سینوں میں ہو انسانوں کے

اپنا الزام دوسروں پر تھوپنا

اٹھوٹ کاریگر سے جب کوئی بگڑ جاتا ہو کام
اپنے اوزاروں کو وہ الزام دیتا ہو سدا
افسوس کا بھی یہی شیدو ہو وقت باپرس
اپنے ماتحتوں کے سر پہ تھوپ اپنی خطا

خوشامد کے معنی

خوشامد کرتے ہیں آ کے جو لوگ
تھادری ہر دم اے اربا بے لٹ
خوشامد پر نہ اُن کی بھولنا تم
وہ گویا تم کو کرتے ہیں ملا ت
کہ ہمیں بیان کیں خصلتیں نیک
نہیں انہیں سے تم میں ایک خصلت

تدبیر قیام سلطنت

تدبیر یہ کہتی تھی کہ جو ملک ہو مفتوح
وہاں پانوں جانے کے لیے تفرقہ ڈالو

اور عقل خلات اُسکے تھی میثوری
یہ حرف بُبک بھول کے منہ سے نہ نکالو
پرے رائے نے فرمایا کہ جو کہتی ہو تدریس
ماں اُسے۔ اور عقل کا کہنا بھی نہ ٹالو
کرنے کے ہیں جو کام وہ کرتے رہو لیکن
جو بات بُبک ہوا سے منہ سے نہ نکالو

مرد اور عورت کی حکومت کا فرق

پوچھا کسی دانا ہے سبب کیا ہے کہ اکثر
مردوں کی حکومت میں ہر ملکوں کی بُری گت
لیکن بچلان اُسکے ہر عورت کا جہان راج
داں ملک ہر سرسبز اور آباد رعیت
فرمایا کہ ہوتے ہیں جہان مرد جہاندار
قبضہ میں ہر داں عورتوں کے دولت مکت
اور سر پہ ہے عورت کے جہان انسر شاہی
سمجھو کہ ہر اس ملک میں مردوں کی حکومت

مغور کی پہچان

غور زید کی کرتا ہر گرشکایت عمرو
تو سمجھو کرتا ہے اپنے غور کا طہار
جنھوں نے آپ کو سب سمجھ لیا ہر بڑا
بڑائی دیکھ نہیں سکتے غیر کی زہار

کام اچھا کرنا چاہیے نہ جلد

کام اچھا کوئی بن آیا اگر انسان سے
اُس نے کی تاخیر اس نے جھٹا اچھا کیا
کب کیا کیونکر کیا یہ پوچھتا کوئی نہیں
بلکہ ہیں یہ دیکھتے جو کچھ کیا کیسا کی

گلے بم

اک برہمن مورتی کے سامنے باصنید
مانگتا تھا ہاتھ پھیلائے دعا بیٹھا کہیں
آن نکلا بانو اک مانگتا کھاتا ادھر
دیکھ محویت برہمن کی گیا بس جسم دہین

وہ جانتے ہیں کہ تھپ جائے گی خطا ہم پر
کیا ملال کا اپنے گراس جگہ ظہار

اپنی ایک ایک خوبی کو بار بار ظاہر کرنا

گو آدمی کا حافظہ کیسا ہی ہوتی
ہوتا ہو اُس سے کار نمایان کوئی اگر
یہ تو وہ بھولتا نہیں ہرگز کہ چاہیے
پیر اتفاق سے نہیں رہتا یہ اسکو یاد
بھولے نہ اپنی یاد پر انسان کو چاہیے
آخر بیکار خاصہ ہے سہواور خطا
پر بھول چوک ہو بشریت کا مقتضا
کرنا ہو بار بار بیان اسکو بر ملا
ہر بار اپنی مع کا پیرا یہ اک جُدا
یادوں سے میں بیان بھی کر چکا ہوں کیا
آخر بیکار خاصہ ہے سہواور خطا

فضول خرچی کا انجام

سرسے پہ راہ کے بیٹھا تھا اکٹا اور ظریت
ہر اک سے ایک دم مانگتا تھا بے کم و بیش
فضول خرچ تھا بستی میں ایک دولت مند
ہوا جو ایک دن اس راہ سے گزر اٹھکا
کہا فقیر نے گو اپنی یہ نہیں عادت
پہ لون گا آپ سے میں پانچ کمرے کم دینا
یہی اٹلے تلے رہے تو آپ کو بھی
سو وقت ہی رہی لینے کا خود بد دولت سے
جہان سے ہو کے گذرتے تھے سب صغیر و کبیر
سختی ہوا میں کہ محسوس غریب ہو کہ امیر
کہ جسکا تھا کوئی اسراف میں نہ شب و نظیر
درم اک اُس نے بھی چاہا کہ کیجئے نذر فقیر
کہ لین درم سے زیادہ کسی سے ایک شغیر
کہ دولت آپ کی پاتا ہوں میں نہ وال پذیر
ہماری طرح سے ہونا ہو ایک روز فقیر
دکھائے دیکھے پھر اسکے بعد کیا فقیر

اختلاف مذاہب رفع نہیں ہو سکتا

غیر ممکن ہے کہ اٹھ جائے دلیل و بحث
جو چلا آتا ہے باہم اہل مذاہب میں خلافت

ہونہیں سکتا مطابق جبکہ دھڑلوان کا وقت رفع ہو سکتے ہیں پھر کیونکر ہزاروں اختلافات

انسان جو اشرف المخلوقات ہے سب سے زیادہ مود آفات ہے

دل پہ جو کیفیتیں ہیں ناگوار	دوہین اُنہیں سے نہایت جانگزا
ایک فکر اُس نے والے وقت کی	شک نہیں ہو جسکے آنے میں ذرا
دوسرے چوٹیں زبانِ حلق کی	زحمت جن کا زحمت ہو تلوار کا
اور بھی حیوانِ ناطق کے لیے	ہیں بہت سی زحمتیں انکے سوا
پر گدھے اور اور حیوانات سب	رہتے ہیں دورِ ان گزندوں سے سدا
کیسا ان آلام سے رہتا نچت	اشرف المخلوق اگر ہوتا گدھا

چنڈ و بازی کا انجام

ایک متوالے سے چنڈ کے وہ تھا ہوشیار	پوچھا ناصح نے کہ اس کام کا آخر انجام
بولتا انجام وہی جو کہ ہے سب کو معلوم	زندگانی کو وداع اور جوانی کو سلام
آنکھ میں اپنے پرانے کی ٹھہرنا بیفید	شہر کے کوچہ و بازار میں رہنا بدنام
جس سے عیبی ہو درست ایسا نہ ہونا کوئی نتیج	جس سے دنیا میں ہونا نام ایسا نہ کرنا کوئی کام
ہم پہ آئینہ ہے جو حال ہے ہونا اپنا	نفس سرکش کے مگر تھمیں ہے اپنی نام
کہنا ناصح نے کہ انجام ہو معلوم اگر	لے نہ اس نہ ہر ہلاہل کا کوئی بھول کے نام
یہ تو کہتے ہو کہ انجام بُرا ہو لیکن	یہ بتاؤ کہ بُرا ہوتا ہے کیسا انجام
بُرا جو انجام کی تب ہوگی حقیقت روشن	بُرا انجام سے جب آکے پڑے گا خود کام
مرنے والے ہی کو ہر موت کی لذت معلوم	گو کہ رکھتے ہیں یقین موت کا سب بخت و خام

قوم کی پاسداری

اک مسلمان خاص انگریزوں کے پاس بکتہ چین
 چاہتے ہیں نفع پہونچے اپنے اہل ملک کو
 کارخانہ کا یہ راجس کے کبھی چاکو نہ لیں
 خوردنی چیزیں جو ان سولینی پڑتی ہیں انھیں
 القرض اہل وطن کی پاسداری کو یہ لوگ
 سن کے حالی نے کہا۔ جو حصہ انگریزوں کا
 ہیں محبت میں سب اندھے اپنی اپنی قوم کے
 کھیاں جیتی نکلتے ہیں پاسداری قوم میں
 ہاں۔ بڑی اس عیب سے بے دیکے اس دنیا میں ہر
 اور قوموں سے انھیں لوگوں کو ہر یہ امتیاز
 ہو گا خوف ایسا نہ دشمن کو کسی دشمن کو یاں

پاس ان لوگوں کو اپنی قوم کا ہے کس قدر
 گو کہ ان کے نفع میں ہو ایک عالم کا ضرر
 اسکا ہو بچارہ ہندی نیچے والا اگر
 ان کو لندن سے منگائیں بس چلے ان کا اگر
 جانتے ہیں دین و ایمان اپنا۔ قصہ مختصر
 ایک سے ہو ایک قوم اس عیب میں آلودہ تر
 یہ وہ خصلت ہو کہ مجبول اس پہ ہے طبع بشر
 اچھے اچھے راستہ باز اور حق پسند اور دادگر
 چشم بدور **امت مرحوم** اسے جان پور
 حملہ جب کرتے ہیں یہ کرتے ہیں اپنی فوج پر
 جہد ہر ان سے انہوں اور یگانوں کو خطر

غزلیات قدیم و جدید

چونکہ بہت سی روئین قدیم غزلیات میں اور بہت سی جدید غزلیات میں نہیں تھیں۔ اسلئے ہر ایک روئین میں دونوں قسم کی غزلیں ملا جلا کر لکھی گئی ہیں۔ اور مزے کے لیے ہر قدیم غزل کے شروع میں حاشیہ پر حروف ق لکھ دیا گیا ہے تاکہ ناظرین اندازہ کر سکیں کہ قدیم و جدید غزل میں کیا فرق ہے۔

قبضہ ہو د لون پر کیا اور اس سے سوا تیرا
اک بندہ نافرمان ہے حمد سوا تیرا
گو سب سے مقدم ہو حق تیرا ادا کرنا
بندے سے مگر ہو گا حق کیونکہ ادا تیرا
محرم بھی ہو ایسا ہی جیسا کہ ہے نامحرم
کچھ کہہ نہ سکا جب پر مایں بھید کھلا تیرا
چچا انہیں نظردن میں یاں خلعت سلطانی
کئی میں گن اپنی رہتا ہے گدا تیرا
عظمت تری مانے بن کچھ بن نہیں آتی یاں
ہیں خیرہ و سرکش بھی دم بھرتے سدا تیرا
تو ہی نظر آتا ہے ہر شے پہ محیط اُن کو
جو بیخ و مصیبت میں کرتے ہیں گلا تیرا
نشان دہ حسان کے سرشار ہیں ادب و بخور
جوش کر نہیں کرتے نعمت پہ ادا تیرا
سمجھا ہے پرے تنجو ادا رک کی سرحد سے
جس قوم نے رکھا ہے انکار و ایترا
طاعت میں ادب تیرا عصیان ہی ہو گویا کمر
عصیان میں بی طاعت سے اقرار سوا تیرا
آفاق میں پھیلے گی کبتاں ہمک تیری
گھر گھر لیے پھرتی ہے پیغام حبس تیرا
ہر بول تزلزل سے ٹکرائے گذرتا ہو
کچھ رنگ بیان حالی ہو سبے جدا تیرا

۱۔ یہ اشارہ ہوا اس حدیث کی طرہٴ اعلان للہ لغات فی الدہل لا تفرحوا العا یعنی خدا کی خوشنویں زمانہ میں پھیلی ہوئی ہیں سوان کا آگلا اور ان کو اپر نہ جانے ۱۲

کارل ہے جوازل سے وہ ہر کمال تیرا
ہے عارفون کو حیرت اور منکرون کو سکتہ
کاوش میں ہے اکھی دُگد امین ہر طبعی
چھوٹے ہوئے ہیں گوجی۔ پزل بندھ ہو رہیں
گو حکم تیرے لاکھون یان ٹالتے رہے ہیں
پھندے تیرے کیونکر جاے مکمل کے کوئی
اُن کی نظر میں شوکتِ حقیقی نہیں کسی کی
دل ہو کہ جان۔ تجھ سے کیونکر غریزہ رکھئے
ہر پور زال سے دل اُس کا قوی زیادہ
ہے پاس دستون کے تیری ہی نشانی

بیگانگی میں حالی۔ یہ رنگِ آشنائی
سُن سُن کے سرِ مہنیں گے قالِ اہل حال تیرا
کہ بڑھیں دشتِ جنون کی تیرے عجب مزا خوشگوار دیکھا
نہ اس سفر میں تکان دیکھی نہ رس نشے میں خمار دیکھا
نہ جی رکھائی سے تیری چھوٹے نہ بے نیازی سے آس لڑے
رہے سدا تیرا دیوان اُٹھیں بھی امیدوار دیکھا
نُج جہان سوز تیرا دیکھا نظارہ اس روز جس چمن میں
نہ بلبل و گل میں دانِ تعلق نہ سر و قمری میں پیار دیکھا
سوارِ محل کی جستجو میں ہزاروں دشتِ طلب میں دورے
نہ محل آیا نظر نہ نات فقط کچھ اُٹھتا غبار دیکھا
جو لاکھ میں ایک برکھین کچھ کھلا بھی قسمت سے بھید تیرا

بلا نہ کھوج اس کا پھر کسی کو ہزار ڈھونڈا ہزار دیکھا
 لگن میں تیری شکل گئے جو نہ بھیکے دیائے پر خط سے
 گئے وہ کو د آنکھ بند کر کے نہ وار دیکھا نہ پار دیکھا
 بچے ہوئے کا ہشون سے یان کی وہی ہن جو تیری ہوئے ہن
 دگر نہ زخمون سے حادثون کے ہر ایک سینہ فگار دیکھا
 چمن میں جھوٹے سے جا بھی نکلے اگر کبھی داغدار تیرے
 گل ان کی نظردن ہن چھتے دکھائے آنکھوں میں غار دیکھا
 خبر نہیں یہ کہ کیا ہے کیسا ہو۔ کون ہو۔ اور تو کہاں ہے
 پہ اپنے میں اور تجھ میں ہم نے علامت اک استوار دیکھا
 سلوک ہن تیرے سب یکساں وہ گرد ترسا ہوں یا مسلمان
 نہ اُن سے کچھ تیرا بیر یا نہ ان سے کچھ تیرا پیار دیکھا
 سہر بھی دی تو نے تیغ بھی دی گردیے ہاتھ بانڈھ سب کے
 جھین تھا یان اختیار سب کچھ انھیں بھی بے اختیار دیکھا
 بفر سے کچھ ہو سکے نہ حالی تو ایسے چنے سے فالہ کیا
 ہمیشہ بیچار تجھ کو پایا کبھی نہ سر گرم کار دیکھا

پر وہ ہولا کھ کینے شمشیر کا
 مضمون ہر نقش دل میں لدنیا مزید کا
 قفل درمرا دس اکبار کھل گئے
 دکھیا ہوئے عالم رحمت کو غور سے
 شرم کرم کی ہن بھی گر پردہ دار یا
 ہو نہ وہ یان جذبہ توفیق درمیان
 چھپتا نہیں جلال تھا کے شہید کا
 کوئین سے بھر بگا نہ واسن امید کا
 چھوڑا جب آرزو نے بھر وسا کلید کا
 ہوش مش جہت میں قحط دل نا امید کا
 انجام ایک ہو گا شقی و سعید کا
 یان امتیاز کیا ہو قریب و بعید کا

لعل قرآن شریف
 بین ہر لکھنوی
 فیضانِ لدنیہ
 فیضانِ لدنیہ
 جنت میں چلے
 چاہن گئے سب
 چکا اور اسکے
 ہارے پاس
 اور بھی ہے

ہو آسمان پر تیرے جگر خوار کا دماغ
خون جگر میں نشہ ہو جام بنید کا
تسکین نہیں شاہد و گاہ گاہ سے
یار سب یہ روزہ دار ہو شتاق عید کا
دو رخ ہے مگر وسیع تو رحمت وسیع تر
لا تقطعوا جواب ہو حل میں مزید کا

حالی کی بہن اگر بھی شیوا بیانیان -

لیگانہ کوئی نام ظہیر و رشید کا

نعت

یا ملکی الصفات یا بشری القوی
تجھ سے ہوئی زندہ خلق جیسے کہ اسے کس
دعوے روشن تر ثابت ہے بہت سے
قال ترا اور حال نشہ و حیات میں چور
غیب سے بھیجا تجھے رہتا پتا پھر تا تھا جب
اٹھا ہدایت کو تو عین ضرورت کے وقت
شان رسالت کی تھی تیری پہنچ عیان
گلہ بنی سعد کا جب کہ چراتا ہفت اتو
دوڑ پڑے سوے حق کاٹ کے سب سر
راہب قیس جبرہ گئے دل تھام کر
خاک تھی جس ملک کی مزرع شر و فساد
تو نے نخل کیا قوم کا غلبہ تھا جب
چھوڑ گئے تھے سلف کام ادھو سے بہت
تو نے کیا سحر عارف عامی نپاش
چوٹ سے حق کی راہ دل نہ اچھوتا کوئی

فیک دلیل علی انک خیر الوری
خلاق خض الزمان بک مایا الولی
صورت و سیرت تری صدق بہ تیرے گوا
اوڑھنا تیرا خدا اور بچھونا خدا
دشت میں بھٹکا ہوا قافلہ بے رہنما
جیسے کہ ہنگام قحط قبلہ سے اٹھے گھٹا
گود سے دایہ ابھی کرنے چکی تھی جد
گلہ آدم تجھے سوئے چکی تھی قصا
امیون کے جب پڑی کان میں تیری صدا
دیکھ کے تیرا قدم ہم قدم انبیا
تو نے اُسی کو دیا ارض مقدس بنا
جب ہوئی مغلوب قوم تو نے ترحم کیا
تو نے کیا دام دام قرض سب ان کا ادا
ایک کو سمجھا دیا ایک کو دکھلا دیا
ایک کے چہر کا لگا ایک کو گھائل کیا

حجت حق کر چکا دین ترا جب تمام
دیر ہوئے بے چراغ اور صلوات یہود
بجھ گئے آشکے بیٹھ گئے بتکدے
اٹھے بہت مدعی جیسے کہ سادہ بین کھانسن
غیرت حق نے مگر جلد لیا انتقام
رہ گیا نام سجاد کذب میں ضرب المثل
سلسلہ انبیاء حتم نہ ہوتا۔ اگر
آئے ہی چشمہ دیا تو نے کنوئین سر نکال
بس نہ رہا اشتباہ اب حق و باطل میں کچھ

بجھ پہ صلوٰۃ و سلام رب ستموات سے

روز و شب و صبح و شام قدر الٰہی

اے عشق تو نے اکثر قوموں کو کھاکے چھوڑا
ابرار تجھے ترسان احرار تجھ سے لرزان
رایوں کے راج چھینے شاہوں کے تاج چھینے
کیا منعموں کی دولت کیا زاہدون کا تقوئے
جس رہگذر میں بیٹھا تو غول راہ بن کر
فراہ کو کہن کی لی تو نے جان شیرین
جس گھر سے سرٹھایا اسکو بٹھا کے چھوڑا
جو زد پہ تیری آیا اسکو گرا کے چھوڑا
گردن کشوں کو اکثر نیچا دکھا کے چھوڑا
جو گنج تو نے تاکا اسکو لٹا کے چھوڑا
صنّاعان سے راست رو کو رستہ بے کھلا کے چھوڑا
اور قیس عامری کو مجنون بنا کے چھوڑا

۱۱۔ دیر راہیوں کا کلیسا۔ صلوات۔ یہودیوں کا کلیسا۔ پہا خبر راہیہ ۱۲۔ عیسیٰ جو دود خدا ایک خالق خیر اور

ایک خالق شر یعنی یزدان اور اہل من کو مانتے ہیں اس عقیدہ کو ثنویت کہتے ہیں۔ ۱۳۔ سجاد ایک عورت

مدعیہ نبوت کا نام ہے جس کا کذب عرب میں ضرب المثل ہو چنانچہ کہتے ہیں ہذا کذب من سجاد اور اسود عیسیٰ

اور میلہ جسکی کینت ابن کثیر ہے۔ یہ دونوں مدعی نبوت تھے جو آخر کار قتل کیے گئے۔ ۱۴۔

یعقوب سے بشر کو دی تو نے نا صبور می
لاگ اور لگاؤ دو نوہن و لگد از تیرے
عقل و خرد نے تجھے کچھ چلپش جان کی
علم و ادب رہے ہین دے ترے ہمیشہ
افسانہ تیرا نگین رو دا د تیری دلکش
یوسف سے پارسا پر بہتان لگا کے چھوڑا
پتھر کے دل تھے جن کے اُنکوڑ لاکے چھوڑا
عقل و خرد کا تو نے خاک اُڑا کے چھوڑا
ہر معرکہ میں تو نے اُن کو دلا کے چھوڑا
شعرو سخن کا تو نے جادو بسنا کے چھوڑا

اُن سترس تیری حالی بچا ہوا تھا
اُسکے بھی دل پہ آخر چرکا لگا کے چھوڑا

دیکھ اے امید کجو ہم سے نہ تو کنارا
یون بے سبب نہ پھرتا نہین کسی سے
میخانہ کی حسرتانی جی دیکھ کر بھرا
اک شخص کو توقع بخشش کی بے عمل ہو
دُنیا کے خرخشتوں سے چیخ اُٹھے تھے ہم لعل
توفیق نے ہمیشہ لی منت پر خبریان
انصاف سے جو دیکھا نکلے وہ عجیب اے
افسوس اہل دین بھی مانند اہل دنیا
است کو چھانٹ ڈالا کافر بنا بنا کر
کیا پوچھتے ہو کیونکر سب نکتہ چین ہوئے چپ

حالی سے کام ہوا ان فلوں سے اُسکے کی کام

اچھا ہر پارہ چھپسہ ہا رہے ہمارا

رونا نہو گا حالی شاید یہ کم تھا را

لہ دلا نا۔ کشتی دلا نا۔ یعنی بچھاؤ نا۔ اکثر کشتی کا لفظ حذف کر کے صرف دلا نا پڑھتے ہیں ۱۲

گفت میں دم بدم کچھ لذت ہو بڑھتی جاتی
حافل ہیں شہر میں کم نادان بہت ہیں اعظ
دلجو نہیں کوئی، یاں سمیٹ سامی صنم پرستو
گاہک کی قدر سے کچھ فہیت نہ پاؤ گے تم
دشت طلب کے رستو طے ہو گے کس طرح تم
دو بیواؤں کو بھی کچھ جسم کے جانشینو
رودی ہوں یا تیار رہی ہو تائیں گے کیا
کھولی ہیں تم نے آنکھیں اور عادتو ہمارے
ہوتے ہی تم تو پیدل کچھ رو دیے سوارو
رستے میں گرنے ٹھہرے تو ہم بھی جا لو گے
پھرتے ادھر ادھر ہو کس کی تلاش میں تم
جادو رقم تو مانیں ہم دل سے تم کو خالی
پلٹ کر کے بھی دکھائے زور رقم تھا را

وہ دل ہے شگفتہ نہ وہ بازو ہیں توانا
خود مہر وطن سے ہو دواع اب کے مغربین
وکی سے نکلتے ہی ہوا بیٹنے سے دل سیر
یار طلب وصل ہو یا ہو طلب وصل
دنیا کی حقیقت نہیں جز حسرت و حرمان
افسوس کہ غفلت میں کٹا حسد جو اتی
یاروں کو چین دیکھ کے عبرت نہیں ہوتی
دنیا میں اگر ہے بھی فراغت کا کوئی دن
پونچا ہی بس اب کوچ کا تم سمجھو دانا
جانا ہو دانا پھر کے جہان سے نہیں آنا
گویا نہ رہا اب کہیں دنیا میں ٹھکانا
جس دن کہ وہ دونوں وہ دن دکھانا
پھل بل میں تم اس ڈال فسوگر کی نہ آنا
تھا آج بت ٹھہر میں مگر ہم نے نہ جانا
اب واقعہ سہا پنا پڑا ہسم کو سنانا
وہ دن ہے کہ جس دن ہوا سے چھوڑ کے جانا

لی ہوش بین آنے کی جو ساقی سوا اجازت
 نہ دھارس سہی کچھ اور ہمدردی سے بندھی ہو
 حالی کو کہیں راہ میں تم چھوڑ نہ جانا
 جہان میں حالی کسی پر اپنے سوا بھروسہ نہ کیجیے گا
 یہ بھید ہے اپنی زندگی کا بس اس کا چرچا نہ کیجیے گا
 ہولا کھ غیر دن کا غیر کوئی نہ جاننا اُس کو غیب ہرگز
 جو اپنا سایہ بھی ہو تو اُس کو تصور اپنا نہ کیجیے گا
 سنا ہے صوفی کا قول ہو یہ کہ ہے طریقت میں کفر دعویٰ
 یہ کہہ دو دعویٰ بہت بڑا ہے پھر ایسا دعویٰ نہ کیجیے گا
 اسی میں ہے خیر حضرت دل کہ یار بھولا ہوا ہے ہم کو
 کرے وہ یاد اُس کی بھول کر بھی کبھی تمنا نہ کیجیے گا
 کہے اگر کوئی تمکو دعا عطا کہہ کتے کچھ اور کرتے ہو کچھ
 زمانہ کی خواہ ہے نکتہ چینی کچھ اس کی پروا نہ کیجیے گا
 کمال ہے خدبے کمالی نہین ملاپ اُن میں حزن گیرا
 جو ہم پہ کچھ چٹ کیجیے گا تو آپ بیجا نہ کیجیے گا
 لگاؤ تم میں نہ لاگ زاہر نہ دردِ آفت کی آگ زاہر
 پھر اور کیا کیجیے گا آخِ حزن ترک دنیا نہ کیجیے گا
 تمہارا تھا دوستدار حالی اور اپنے بیگانہ کا رضا جو
 سلوک اُس سے کہے یہ تم نے تو ہم سے کیا کیا نہ کیجیے گا
 ہو غم ویر شاہ کعبہ سے پھر کر اپنا
 نہ پھر نہ رہے آگے نہین نظر ہم
 آتا ہو دور ہی سے ہکو نظر گھر اپنا
 جنت کی دل کی دکھلا جو ہر اپنا

زکریا
 سہیل

پیرِ مغان سے ہو کر تب سرخرو لینگے
فصلِ دہنر کا ہو گا جب چاکِ محض اپنا
بیگانہ دوش ہو کر وہ تو ہر ہمارے ٹھنپ کا
ایسوں ہی سر نہا ہو یا رانہ اکثر اپنا
عصمت اپنی تھی خود فطرت گواہ اپنی
کر بیٹھے اپنے ہاتھوں ہم چاکِ محض اپنا
کچھ کذبِ انفر ہو کچھ کذبِ حق نام ہے
یہ ہے بضاعتِ اپنی اور یہ ہو فخر اپنا

غیر دن کو لینگے آخر اپنا بنا کے کیا ہم
ایسوں ہی سے ہو حالی کچھ دل لکھ اپنا

معے کا تم نے حالی دریا اگر بایا
یہ تو بتائیں حضرت کچھ کر کے بھی دکھایا
اے بانگِ طبلِ شاہی دن ہو گیا جب آخر
خوابِ گران سے تو نے ناحق ہین جگایا
تھا ہوشِ یاد گل کا دورِ حسنِ مین کس کو
اے عندلیبِ نالان یہ تو نے گل کھلایا
دیران ہے باغِ سپر پھولی نہیں سمانی
مزدہ صبا نے یارب لبیل کو کیا سنایا
اے عشقِ دل کو رکھا دنیا کا اور نہ دین کا
گھر ہی بچا طوطا لا تو نے بنا بتایا
دڑتے رہیں گے اب ہم بجرم بھی سزا سے
احسان اس کا جس نے ناحق ہین ستایا
واعظ کی جھوٹ سے قائل تو ہو گئے ہم
کوئی جوابِ شافی پر اس سے بن نہ آیا
آیا نہ بھٹا کبھی یان گو یا قدمِ خزان کا
دودن مین یون پلٹ ہی کس نے چین کی کلا
تقلیدِ قوم ہی پر گر ہے مدامِ تحسین
تو تھے دوستوں کی تحسین سے ہاتھ اٹھایا

دیکھا تو کچھ نظریں حالی چچا نہ اپنی

جو جو گمان تھے ہو اٹھا نشان نہ پایا

نفسِ دعویٰ بیگناہی کا سدا کرتا رہا
گرچہ اُن سے جی سے دل اکثر با کرتا رہا
حق نے حسانِ مین کی اور مین کفران مین کی
وہ عطا کرتا رہا اور مین خطا کرتا رہا
چوریوں سے دیدہ و دل کی نہ شکر بھی
چکے چکے نفسِ خائن کا کسا کرتا رہا
طاغوتوں کی نرسے بچ بچ کر چلا راہِ خطا
داران کا اس لیے اکثر خطا کرتا رہا

نفس میں جو نار و خواہش ہوئی پید اکبھی
 منہ نہ دکھائی دست پھر میرا اگر جانیں کہ میں
 اُن سے کیا کرتا رہا اور آپ کیا کرتا رہا
 حق ہے جو دون تہمتی کا وہ ادھر کرتا رہا
 کبر نفس اتنا ہی بان نشو و نما کرتا رہا
 شہرت اپنی جس قدر بڑھتی گئی آفاق میں

ایک عالم سے وفا کی تھنے اے حالیؔ

نفس پر اپنے سدا ظالم جہنما کرتا رہا

کہیں الہام منوانا پڑے گا ۱ کہیں کشف اپنا جہلانا پڑے گا
 نہو صوفی صفا گو تجھ میں لیکن ۲ کرشمہ کوئی دکھلانا پڑے گا
 نصیحت بے اثر ہے گر نہورد ۳ یہ گزنا صبح کو بستلانا پڑے گا
 جھین ہو جھوٹ کو بیچ کر دکھانا ۴ اُنھیں بچون کو جھٹلانا پڑے گا
 عوام الناس کا ہو گا جھین منہ ۵ اُنھیں خاصوں پہ منہ آنا پڑے گا
 رہے وصف جنان کی مشق و عظم ۶ جھین بچون کو پھسلانا پڑے گا
 سخن میں پیروی کی گرسلف کی ۷ اُنھیں باتون کو دھرا نا پڑے گا
 تعلق کا ہے پھندا بیچ در بیچ ۱ یہ عفتہ ہم کو بٹھانا پڑے گا
 بہت یاں ٹھوکرین کھانی ہیں ہنہ ۲ بس اب نیا کوٹھک کرانا پڑے گا
 نہیں بوانس کی اس غمکے میں ۳ کہیں دل عاج کے ہسلانا پڑے گا
 دل اب صحبت سے کوسون بھاگتا ہو ۴ ہمیں بارون سے شلانا پڑے گا
 زمانہ کر رہا ہے قطع پیوند ۵ وفا سے ہم کو بچیتا نا پڑے گا
 جو منصوبے ہیں یہ حالی تو شاید ۶ ارادہ فرخ نہرانا پڑے گا

بشر پہلو میں دل رکھتا ہے جب تک

اُسے دنیا کا غم کھانا پڑے گا

سخن پر مہین اپنے رونا پڑے گا یہ دست کسی دن ڈبونا پڑے گا
 عزیز و کسان تک یہ آتش مزاجی تھیں جلد خاک ہونا پڑے گا
 رہا دوستی پر نہ تکیہ کسی کی بس ابل سے شکون کو دھونا پڑے گا
 بن آئے گی ہرگز نہ یان کچھ کیے بن جو کچھ کاٹنا ہے تو بونا پڑے گا
 ہوئے تم نہ سیدھے جوانی میں حالی

مگر اب مری جان ہونا پڑے گا
 کب تک لے ابو کرم ترسائے گا سینہ بھی رحمت کا کبھی برسائے گا
 پھل کچھ لے نخل دغا تجھ میں نہیں جو لگائے گا تجھے بھپتائے گا
 دوست کا آیا ہے سمجھو اب پیام آج اگر آیا نہیں کل آئے گا
 ذوق سب جاتے رہے جز ذوق درد اک یہ لپکا دیکھے کب جائے گا
 واعظ آتا ہے تو آنے دو اسے ۱ پر مزا آنے کا یان کیا پائے گا
 آئے گا اور ہم کو شرائے گا مفت ۲ اور خود شرمندہ ہو کر جائے گا
 عیب خالی نہ واعظ ہے نہ ہم ۳ ہمہ منہ آئے گا منہ کی کھائے گا
 دل کے تو رہی کسے دیتے تھے صاف رنگ یہ دیوانہ اک دن لائے گا
 باغ و صحرائیں ہے جو تنگ دل جمی نفس میں اس کا کیا گھڑے گا
 رنگ گردون کا ہے کچھ بدلا ہوا ۱ قطعہ شعبہ تازہ کوئی دکھائے گا
 ابو برق آئے ہیں خون ساتھ ساتھ ۲ دیکھے برسے گا یا برسے گا
 مشکون کی جسکو ہے حالی خبر

مشکلین آسان وہی فرمائے گا
 دان اگر جائیں تو لیکر جائیں کیا منہ اسے ہم جا کے یہ دکھلائیں کیا

دل میں باقی ہو دہی جس گناہ
پھر کیے سے اپنے ہم بچتا میں کیا
اُس کو لین ہین جا کر سنا
اُسکی بے پردائیوں پر جائیں کیا
دل کو مسجد سے نہ منہ سہو اس
ایسے وحشی کو کہیں بہلا میں کیا
جاننا دنیا کو ہے اک کھیل تو
کھیل قدرت کے کچھے دکھلا میں کیا
عمر کی منزل تو جون توں کٹ گئی
مرحلے اب دیکھئے پیش آئیں کیا
دل کو سب باتوں کی ہر ناصح خبر
سمجھے سمجھائے کو بس سمجھائیں کیا
مان تلخے شیخ جو دعویٰ کرے
اک بزرگ میں گو ہم جھٹلائیں کیا

ہو چکے حالی غزل خوانی کے دن

راگنی بے وقت کی اب گائیں کیا

کاش اک جام بھی سالک کو پلایا جاتا
اک چہ رخ اور راہ حبلا یا جاتا
کر دیا نہیں نے تو ابید سے غافل ناصح
اس کو کیوں بھولتے گراں کو بھلایا جاتا
چپ چپاتے اُسے دے کئے دل اک بات پر ہم
مال ہنگام نظر آتا تو چکایا جاتا
شب کو زاہد سے نہ مٹ بھیڑ ہوئی خوب ہوا
نشہ زور وں پہ تھا شائستہ چھپایا جاتا
دل کو یہ تو نے دکھایا ہو کہ دکھ جاتا ہو
چونٹی کا بھی اگر دل ہو دکھایا جاتا
نامہ برآج بھی خط لیکے نہ آیا یا رو
تم تو کہتے ہو کہ وہ ہے ابھی آیا جاتا
عشق اُس وقت سے سر پر تر مٹلاتا تھا
گود وں میں تجھے تھا جب کہ کھلایا جاتا
لوگ کیوں شیخ کو کہتے ہیں کہ عیار ہرو
اُس کی صورت سے تو ایسا نہیں پایا جاتا
بار بار دیکھ چکے تیرے فریب اے دنیا
ہمے اب جان کے دھوکا نہیں کھایا جاتا
کرنے کیا پتے اگر نے دعا سے تاصبح
وقت فرصت کا یہ کس طرح گنوا یا جاتا
دل نہ طاعت میں لگا جب لگایا غم عشق
کسی دھندے میں تو آخر یہ لگایا جاتا
اُس نے اچھا ہی کیا حال نہ پوچھا دل کا
بھڑک اٹھتا تو یہ شعلہ نہ دپایا جاتا

عشق سنتے تھے جسے ہم وہ یہی ہے شاید خود بخود دل میں ہو اک شخص سما یا جاتا
اب تو کفیر سے واعظ نہیں بٹتا حالی
کہتے پہلے سے تو دے لیکے ہٹایا جاتا

راحت کا جہان میں یونین اک نام ہو گویا راحت کی تلاش اک طمع خام ہے گویا
کچھ کرنے ہیں جو یان وہی انگشت نامین بدنام ہی دنیا میں نکو نام ہے گویا
نا چیز ہیں وہ کام نہیں چہ کچھ الزام جو کام ہیں ران کا ہی انعام ہے گویا
ہے وقت رحیل اور وہی عشرت کے ہیں یان آخر ہوئی رات اور ابھی یان شام ہے گویا
اٹھا تھا کچھ اول ہی سے یہ درد بڑی طرح آغاز ہی الفت کا بس انجام ہے گویا
ادبار بھی دیکھو گے جہان پاؤ گے اسلام اسلام کا ادبار بھی اک نام ہے گویا
جب دیکھے حالی کو پڑا پائے بیکار
کرنا اُسے باقی یہی اک کام ہو گویا

ق خلوت میں شری صوفی گرفتور صفا ہوتا
تھا آفت جان اسکا انداز کما ندری ہم بچکے کہاں جاتے گرتیہ خطا ہوتا
کچھ اپنی حقیقت کی گرتب کو خبر ہوتی میری ہی طرح تو بھی غیروں سے خفا ہوتا
یہ لطف بناوٹ میں دیکھا نہ سنا قاصد ان پڑھ تو ہے تو یہ کچھ پڑھتا تو بلا ہوتا
باقون میں شکایت کی بو آتی ہو الفت کی گردل میں جگہ ہوتی لب پر بھی گلا ہوتا
ہم روز و ناز اس سے ہنس ہنس کے ہوتے نخست رونا تھا بہت ہم کو روئے بھی تو کیا ہوتا
گر صاحب دل ہوتے سن کر مری بیتابی تم کو بھی مست ہوتا اور مجھ سے سوا ہوتا
جو دل پہ گزرتی ہو کیا تم کو خبر نا صبح کچھ ہم سے سنا ہوتا پھر تو نے کہا ہوتا
جو جان سے در گزرتے وہ چاہے سو کر گزرتے گرتی نہ تم آتے کیا جانے کیا ہوتا
اصل حالی دیوانہ کہتا تھا کچھ فسانے سننے ہی کے قابل تھا تم نے بھی سنا ہوتا

پیش از ظہور عشق کسی کا نشان نہ تھا
ہم کو ہمارے میں بھی سرگستان نہ تھا
مٹتے ہی اُن کے بھول گئیں کھنٹیں تمام
کیا جانتے تھے جائیگا جی اک نگاہ میں
سچ ہو کہ پاس خاطر نازک عذاب ہے
کچھ میری بیخودی سے تھا ارازیان نہیں
رات اُن کو بات بات پہ سو سوئیے جواب
رونا ہو یہ کہ آپ بھی بہتے تھے در زیاں
تھا کچھ نہ کچھ کہ پھانس سی اک دلیں چھپ گئی

بزم سخن میں جی نہ لگا اپنا رہنما

شب انجمن میں حالی جادو بیان تھا

ریخ اور ریخ بھی تنہائی کا
عمر شاید نہ کرے آج دنا
تم نے کیوں وصل میں پہلو بدلا
ایک دن راہ پہ جا پہنچے ہم
اُس سے نادان ہی بن کر لیے
سات پردوں میں نہیں ٹھہرتی آنکھ
در بیان ہائے نظر بہت تک
کچھ تو ہے رستہ استاشائی کی
اُسکو چھوڑا تو ہے لیکن لے دل
بزم دشمن میں نہ جی سے اتر

وقت پہونچا مری رسوائی کا
کاٹنا ہے شب تنہائی کا
کس کو دعویٰ ہے شکبائی کا
شوق بھتا باد پیپائی کا
کچھ اجارہ نہیں دانا کی کا
حوصلہ کیا ہے تاشائی کا
ہم کو دعویٰ نہیں ہیتائی کا
ہے جو یہ شوق خود آرائی کا
عج کو ڈر ہے تری خودنائی کا
پوچھنا کیا تری زیسائی کا

۲۔ انجھام تھا اور فصل خزان
گل و بیل کی شناسائی کا
مرداے جذبہ توفیق کہ بان
ہو چکا کام تو انائی کا
محب عذرا بہت ہیں لیکن
اذن ہم کو نہیں گویائی کا
ہوں گے حالی سے بہت آوارہ
گھر ابھی دور ہے رسوائی کا

ق اغماض چلتے وقت موت سے دور تھا
زوروں کے ہم کو اور زلانا ضرور تھا
تھی ہر نظر نہ محرم و پدار ورنہ بان
ہر خار نخل امین و ہر سنگ طور تھا
درد اک لب پہ راز دل آیا نہ تھا ہنوز
چہر چاہا سے عشق کا نزدیک دور تھا
جانی نہ قدر رحمت حق پارسا نے کچھ
ٹھہر تصور وار اگر بے قصور تھا
دردی کشان بزم مغان کا نہ پوچھ حال
ایک ایک پرند نشہ و حدت میں چور تھا
اب بار باب انجمن عام بھی نہیں
وہ دل کہ خاص محرم بزم حضور تھا
روز و دل بھی شب ہجران سے کم نہ تھا
کچھ صبح ہی سے شام بلا کا ظہور تھا
بیار کی تو اپنے نہ لی تم نے کچھ خبر
بہر ناز و نعرش پہ آنا ضرور تھا

حالی کو ہجر میں بھی جو دیکھا تو شادمان
تھا حوصلہ اسی کا کہ اتنا صبور تھا

ق دل سے خیال دوست بھلا یا نہ جائیگا
سینے میں داغ ہے کہ مٹا یا نہ جائے گا
تم کہ ہزار شرم سہی مج کو لاکھ ضبط
الفت وہ راز ہے کہ چھپا یا نہ جائے گا
اے دل رضا ہے غیر ہر شرط رضا و دوست
زہنا ربا و عشق اٹھا یا نہ جائے گا
دیکھی ہیں ایسی اُن کی بہت مہربانیاں
اب ہم سے منہ میں موت کے جایا نہ جائے گا
مے شند و ظرافت حوصلہ اہل بزم سنگ
ساتی سے جام بھر کے پلا یا نہ جائے گا
راضی ہیں ہم کہ دوست ہو دشمنی - مگر
دشمن کہ ہے دوست بنا یا نہ جائے گا

کیرن چھڑتے ہو کر نہ رات کے پوچھیں گے ہم سب زبانیانہ جائے گا
 بکریں نہ بات بات پر کیوں جانتے ہیں وہ ہم وہ نہیں کہ ہم کو منا یا نہ جائے گا
 ملتا ہے آپ سے تو نہیں حشر سیر کر کس کس سے اخترا و طعنا یا نہ جائے گا
 مقصود اپنا کچھ نہ کھلا لیکن اس قدر یعنی وہ ڈھونڈتے ہیں جو یا نہ جائے گا

جھگڑوں میں اہل دین کئی کئی ٹہریں ہیں آپ

قصہ حضور سے یہ چکا یا نہ جائے گا

قلق اور دل میں سوا ہو گیا دلاسا تھا را بلا ہو گیا
 دکھانا پڑے گا نہ زخم دل اگر تیرا اس کا خطا ہو گیا
 سبب ہو نوب پہ آنا ضرور مرا شکر اس کا گلہ ہو گیا
 وہ امید کیا جسکی ہوا انتہا صفا وہ وہ نہیں جو وفا ہو گیا
 ہوا رکتے رکتے دم آخر فنا صفا مرض بڑھتے بڑھتے ہوا ہو گیا
 نہیں بھولنا اسکی رخصت کا وقت وہ رورو کے بلنا بلا ہو گیا
 سان کل کا رہ رہ کے آنا ہو یاد ابھی کیا تھا اور کیا سو کیا ہو گیا
 بچھنے تھے جس عزم کو ہم جاگزا وہ عزم رفتہ رفتہ غذا ہو گیا
 نہ مے میری امید مجھ کو جواب رہے وہ تھا اگر نہ سنا ہو گیا

ٹپکتا ہے اشعار حالی سے حال

کہیں سادہ دل مبتلا ہو گیا

سنگ گراں ہوا رہ میں تکیں یا کا اب دیکھنا ہے زور دل پیچا رکا
 اک خوشی ہو گئی ہو تحمل کی درد اب وہ جو صلہ رہا نہیں صبر چسپا رکا
 آؤں شا بھی دو غلش آرزو قتل کیا اعتبار زندگی مستعار کا
 ہم خوش کبھی تھے ہوں تو غم ناگوار ہو رہتا نہیں محمل گلہ روزگار کا

بجھو مجھے اگر تھین ہو آدمی کی قدر
میرا اک التفات نہ مرنا ہزار کا
گر صبح تک وفانہ ہوا وعدہ ہوا
سن لین گے وہ آل شب انتظار کا
اب محو بوسے گل پہ ہوا کب دل حزن
ہم کو چین سے یاد ہو جانا ہزار کا
ہرمت گردنا تو لیلے بلند ہے
پونچے جو حوصلہ ہو کسی شہسوار کا
غربت کے مشغولین نے وطن کو بھلا دیا
خانہ خراب خاطر الفت شعار کا

حالی بس اب یقین ہو کر دلی کے ہوئے

ہے ذرہ ذرہ مہر نسا اس میار کا

ب

دردِ دل کو دواسے کیا مطلب
کیمیا کو طلا سے کیا مطلب
چشمہ زندگی ہے - ذکرِ جمیل
خضر و آبِ بہت سے کیا مطلب
بادشاہی ہو نفس کی تسخیر
ظنِ بال ہمارے کیا مطلب
جو کر شے بھریں گے خود - واعظ
تم کو میری خطا سے کیا مطلب
جنکے معبود حور و غلمان ہیں
ظنِ اُن کو زائد خدا سے کیا مطلب
کام ہے مردی سے انسان کی قطعہ
زہد یا اتھت سے کیا مطلب
ہے اگر رند دامن آلودہ ۲
ہم کو چون و چرا سے کیا مطلب
صوفی شہرِ با صفا ہے اگر ۳
ہو - ہماری بلا سے کیا مطلب

نگہت نے پہ عیش ہیں جو حالی

اُن کو دردِ وصف سے کیا مطلب

مجھ میں وہ تابِ ضبطِ شکایت کہاں ہو اب
چھپو نہ تم کہ میرے بھی منہ میں زبان ہو اب
وہ دن گئے کہ حوصلہ ضبطِ راز بھٹا
چہرے سے اپنے شور و شہ پہنا عجب ہو اب
جس دل کو قیدِ ہستی دنیا سے تنگ تھا
وہ دل اس جہنمِ زلزلہ بتان ہو اب

آنے لگا جب اسکی تمنا میں کچھ مزا
لغزش نہو بلا ہے حسینوں کا التفات
اک جبرئیل شراب نے سب کچھ بھلا دیا
ہے وقت نزع اور وہ آیا نہیں ہنوز
ہے دل غم جان سے سبکدوش انہوں
کتنے ہیں لوگ جان کا اسمین بن ہوا
اے دل سنبھل وہ دشمن بن ہوا
ہم ہیں اور آستانہ پیر مغان ہوا
ہاں جذب دل مدد کہ دم نکھان ہوا
سر پڑتا سو بھتا کوئی بارگراں ہے اب

حالی تم اور ملازمت پھر سے فروش
وہ عالم و دین کہ مھر ہو وہ تقویٰ کہاں ہوا

یہ ہیں اعظا سب بٹھکتے ہیں آپ
بس بہت طعن ملامت کر چکے
ہے صراحی مینی ہی لذت کہ جو
واعظو ہے اُن کو شرمنا گناہ
کرتے ہیں اک اک کی تکفیر آپ کیون ۲
کرتے ہیں آباد درخ کو حصور
ناصح قوم اسپہ کھلاتے ہیں آپ
کیون بنان نہ بنوئی کھلاتے ہیں آپ
چڑھ کے منبر پر مڑا پاتے ہیں آپ
جو گنہ سے اپنے شرارتے ہیں آپ
اسپہ بھی کچھ غور فرماتے ہیں آپ
خلد کو دیران کروا لے ہیں آپ

چھڑ کر واعظ کو حالی خلد سے
بستر اکبیر اپنا بھکواتے ہیں آپ

گو جوانی میں تھی کبیرانی بہت
نیر برقع تو نے کیا دکھلا دیا
ہٹ پہ اسکی اور پس جاتے ہیں دل
سرویا گل آنکھ میں نہتے نہیں
پر جوانی ہم کو یا د آئی بہت
جمع ہیں ہر سو تاشانی بہت
راس ہر کچھ اس کو خود آئی بہت
دل پہ ہر نقش اسکی رعنائی بہت

چور تھا زخون میں اور کتنا تھا حُر
آ رہی ہے چاہ پوسٹ سے صدا
راحت اس تکلیف و عین پائی بہت
دوست بیان تھوڑے ہیں اور بہانی بہت
وصل کے ہو ہو کے سامان گئے
منہ نہ برسا اور گھٹا چھائی بہت
جان نثاری پر وہ بول اٹھو مری
ہین فدائی کم رتاشائی بہت
ہم نے ہر اس نے کو اعلیٰ کر دیا
خاکساری اپنی کام آئی بہت
کر دیا چپے اتھات دہرنے
عقلی بھی ہم میں بھی گویائی بہت
گھٹ گھٹین خود تلخیاں ابام کی
یا لگی کچھ طرہ شکبائی بہت
ہم نہ کہتے تھے کہ حالی چپے ہو
راست گوئی میں ہر رسوائی بہت

کے جاتے ہی یہ کیا بولتی گھر کی صورت
کس سے بیان دنا یا نہ رہی ہر لبیل
نہ وہ دیوار کی صورت ہو نہ در کی صورت
کل نہ پہچان سکے گی گل تن کی صورت
ہو گئی اور ہی کچھ شام و سحر کی صورت
اک بزرگ آئے ہین مسجد میں خضر کی صورت
صورت دیوار سے بے عیب بشر کی صورت
یہ ڈرایا ہو کہ خود ہین گئے ڈر کی صورت
اُس نے دکھی ہی نہیں کیسہ زر کی صورت
آڑے آئی مرے تسلیم سپر کی صورت
ناصوا اس سے نہیں کوئی مفر کی صورت
رہ گئی ہو ہی اک تسخ و طفر کی صورت
راہ میں کچھ نظر آتی ہو خط کی صورت
پر ڈانی ہو بہت آج بھنور کی صورت
کے جاتے ہی یہ کیا بولتی گھر کی صورت
کس سے بیان دنا یا نہ رہی ہر لبیل
نہ وہ دیوار کی صورت ہو نہ در کی صورت
کل نہ پہچان سکے گی گل تن کی صورت
ہو گئی اور ہی کچھ شام و سحر کی صورت
اک بزرگ آئے ہین مسجد میں خضر کی صورت
صورت دیوار سے بے عیب بشر کی صورت
یہ ڈرایا ہو کہ خود ہین گئے ڈر کی صورت
اُس نے دکھی ہی نہیں کیسہ زر کی صورت
آڑے آئی مرے تسلیم سپر کی صورت
ناصوا اس سے نہیں کوئی مفر کی صورت
رہ گئی ہو ہی اک تسخ و طفر کی صورت
راہ میں کچھ نظر آتی ہو خط کی صورت
پر ڈانی ہو بہت آج بھنور کی صورت

انکو حالی بھی بھلتے ہیں گھرانے جہان
دیکھنا آپ کی اور آپ کے گھر کی صورت

بتا سکتے ہیں وہ نہ پانی کی صورت
جسے دیکھ کر دل ہو عاشق کا بیکل
دہ ہو اور ہی ہنسے پانی کی صورت
مرے حق میں کیا سبانی کی صورت
بنائی بہت شادمانی کی صورت
ذرا دیکھنا شیخ منانی کی صورت
یقین ہے کہ ہم جسکو سمجھے ہیں مرنا
سمجھ کر کو قتل حالی کو دیکھو
شاؤ نہ عشق و جوانی کی صورت

ط

تو نہیں ہوتا تو رہتا ہے اچاٹ
سچ رہی ہے کائنات میں یہ بات
ناو ہے بوسیدہ اور بوچھین ہیں سخت
اک کہانی پیر زن کی رہی
دیر سے مسجد میں ہم آئے تو ہیں
جو کئے تجکو بنا دین اے امیر
ملتین رستون کے ہیں بے ہر پھر
برق منڈلاتی ہو اب کس چہرے
تغین بڑش یہ لے حالی میں
چھکیان سی دلین یلینا ہو کون

دل کو یہ کیسی لگا دی تو نے چاٹ
اور مفتی نے کئی بیسے ہیں ٹھاٹ
اور دریا کا بہت چمکا ہے پاٹ
راج کسرے کا رہا یا قی نہ پاٹ
ہے گریان جی کچھ لے ناہ پاٹ
ہیں بہت سرکار کی مغل میں بھاٹ
سب جہازوں کا ہے لنگر ایک گھاٹ
ٹڈیان کب کی گئیں کھنٹی کو چاٹ
جہند رتیری زبان کرتی ہو کاٹ
شعر تو ظاہر میں ہیں تیرے سپاٹ

ش

باپ کا ہر جھبی سر وارث
 گھر ہنرور کا ناخلف نے لیا
 فاتح ہو کہاں سے میت کی
 ہون اگر ذوق کب سے آگاہ
 خاک کرمان گور و خویش تبار
 واعظو دین کا حسد احافظ
 قوم بے پر ہے دین یکیں ہے
 ہم پہ بیٹھ ہیں ہاتھ دھوئے حریف
 ہو ہنر کا بھی اسکے گروارث
 تیرا ہے کون اسے ہنر وارث
 لے گئے ڈھوکے ستم نروارث
 کرین میراث سے حذر وارث
 ایک میت اور استدر وارث
 انبیاء کے ہوتم اگر وارث
 گئے اسلام کے کدھر وارث
 جیسے مردہ کے مال پر وارث

ترک چھوڑا ہے کچھ اگر حالی
 کیوں ہیں میت پہ نوحہ گروارث

بھید واعظ اپنا کھلو یا عبث
 جلوہ صوفی نے نہ دکھلایا کوئی
 شیخ رندون میں بھی کچھ پاکبار
 گوئی چھپی آ کے اب پختا نہیں
 آ نکلتے تھے کبھی مسجد میں ہسم
 کھیتیان جلکر ہوئیں بارونگی خاک
 قوم کا حالی پینا ہے محال
 دل جلون کو تو نے گرایا عبث
 رات بھر یاروں کو جھوٹا یا عبث
 سب کو ملزم تو نے ٹھہرایا عبث
 آپ نے جال اپنا پھیلایا عبث
 تو نے زاہد ہم کو شرایا عبث
 ابرہے گھر کر ادھر آ یا عبث
 تم نے رد و سب کو روایا عبث

ج

بات کچھ ہم سے بن نہ آئی آج
 چپ پرانی ٹھہم تھے کیا کیا کچھ
 بول کر ہم نے منہ کی کھائی آج
 بات بگڑی بنی بنائی آج

شکوہ کرنے کی خونہ تھی اپنی ✓ پر طبیعت ہی کچھ بھڑائی آج
 بزم ساقی نے دی الٹ ساری خوب بھر بھر کے خم لٹھالی آج
 معصیت پر ہے دیر سے یارب قطعہ ۱ نفس اور شرع میں لڑائی آج
 غالب آتا ہو نفس و شرع ۲ دیکھنی ہے تری حسدائی آج
 چور ہے دل میں کچھ نہ کچھ یار و نیند پھر رات بھر نہ آئی آج
 کل بیان کار و بار میں سب بند کر لو کرنی ہے جو کسا ئی آج
 زد سے الفت کی بیچ کے چلنا تھا

مفت حالی نے چوٹ کھائی آج

تلخی دوران کہیں سب شکوہ بیخ ✓ یہ بھی تمیار و کوئی رنجون میں بیخ
 رنج و شادی یاں کہیں سبے ثبات اور اگر سوچو تو شادی ہے بیخ
 تھا قناعت میں نہان گنج فراغ پر ہمیں بیوقت ہاتھ آیا یہ بیخ
 فکر و دین بڑھتے تھے شاید ساتھ ساتھ ہیں وہ اب پنجاہ جو پہلے تھو بیخ
 ہم کو بھی آتا تھا پہننا بولنا ✓ جب کبھی جیتے تھے ہم اے بزم بیخ
 آگئی مرگ طبعی ہم کو یاد شاخ سے دیکھا جو خود گزرتا بیخ
 راہ اب سیدھی ہو چالی سود و دست ہو چکے طے سب جسم و بیخ و شکنج

بیخ

بزم اچھی ہے۔ گو دنیا ہے اے میخوار بیخ

یاں سمجھ لیتے تو ہیں دنیا کو دم بھریا بیخ

نفس سے سربر ہوئی دانش نہ صبر عقل و ہوش

ایک دشمن بر سر کین ہو تو ہیں سب یار بیخ

شیخ! جو غلص ہیں وہ رکھتے نہیں کچھ امتیاز

ہے یہ سپ اوچھی دوکان اور رونق بازار ریتج
 شام معنی کو آرایش کی کچھ حاجت نہیں
 سحر و سجادہ ریتج اور جُبّہ و دستار ریتج
 ہو گوجے بمقدراتے برستے تم نہیں
 اے نصیب ہے یہ بگفتار بے کردار ریتج
 روئی تو آٹھ آٹھ آنسو اور سپیچا دل نہ ایک
 نکلے موتی تیسرے سپلے چشم گوہر بار ریتج
 خوان نعمت نے ترے اے عامل مردار خوار
 کر دیے آفتاب کے سب خوان و خوان لار ریتج
 ہے ادب سند پر جو کچھ ہے رئیس شہر کا
 ہٹ کے مسند سے جو خود دیکھیں توہین سرکار ریتج
 گو کہ حالی اگلے استادوں کے آگے ہے
 کاشش ہونے ملک میں ایسے ہی اٹنے چار ریتج
 کاٹے دن زندگی کے اُن یگانوں کی طرح
 جو سدا رہتے ہیں چوکس پاسپانوں کی طرح
 منزل دنیا میں ہن پاؤں رکاب آٹھوں پیسے
 رہتے ہیں مہمان سدا میں یہ مہمانوں کی طرح
 سہی سے اکتاپتے اور محنت سے کنباتے نہیں
 جھیلے ہیں سختیوں کو سنت جانوں کی طرح
 رسم و عادت پر ہیں کرتے عقل کو سزا دینا

نفس پر رکھتے ہیں کوڑا حکمرانوں کی طرح
 شادمانی میں گزرتے اپنے آپ سے نہیں
 غم میں رہتے ہیں شگفتہ شادانوں کی طرح
 رکھتے ہیں تمکین جواتی میں بڑھاپے سے سوا
 رہتے ہیں چوچال پیری میں جوانوں کی طرح
 پاتے ہیں اپنوں میں غیر دن سے سوا بیگانگی
 پر بھلا کتے ہیں ایک اک کا یگانوں کی طرح
 اس کھیتی کے پٹنپے کی اُنھیں ہو یا نہ ہو
 ہیں اُسے پانی دیے جاتے کسانوں کی طرح
 اُن کے غتے میں ہے دلسوزی۔ ملامت میں ہر پار
 مہربانی کرتے ہیں نامہ لڑوں کی طرح
 کام نہ کام اپنے ان کو۔ گو ہو عالم نکستہ چین
 رہتے ہیں بیتس دانوں میں زبانوں کی طرح
 طعن سُن سُن احمقوں کے نہنتے ہیں دیوانہ وار
 دن بسر کرتے ہیں دیوانوں میں سیانوں کی طرح
 کیجے کیا حالی۔ نہ کیجے بادگی گراختیار
 بولنا آئے نہ جب رنگین بیانوں کی طرح

خ

مے مغان کا ہے چپکا اگر بُرا سے شخ
 تو ایسی ہی کوئی چاٹ اور مے لگا اور شخ
 ریا کو صدق سے ہر جام مے بدل دیتا
 تھیں بھی کوئی یاد ایسی کیسا لے شخ
 وہ نکلے بھان متی جو بناتے تھے اکبر
 تاشے دیکھے ہیں تہنہ بار بار لے شخ

غرد و غرو و غنا میں فرق ہے کیا
 زبان پہ ہوتی ہو مہر کی جو این محرم راز
 خبر بھی ہے تھیں وہ کیا بن ہی بیڑے پر
 زود و تیروں سے الگ تھے ہیں جم ہی کل
 گوزن و گور ہیں بچپن سے تارک دنیا
 کمال حسن عقیدت سے آیا تھا حالی
 تجھی پہ رکھتے ہیں ہم غصہ بنا کے شیخ
 پھر ایسا کیجیو ہرگز نہ ادعا کے شیخ
 قطعہ ہیں آپ جون سے بیڑے کا خدا کے شیخ
 شادری کا بھی گر ہے سر جبال کے شیخ
 نہایت آپ کی ہے اُن کی ابتلا کے شیخ
 پہ خاقانہ سے افسرہ دل کیلے شیخ

شادی کے بعد غم ہے فقیری غنا کے بعد
 ہے سامنا بلا کا پس ان عاقبت ضرور
 نفس پر خرم عشق ہے بے صفہ محبت
 گرد و دل سے پانی نہیں ہے چارہ گرفتار
 یاد خدا میں جب نہ گئی دل سے اسکی یاد
 کرتے رہے خطائیں نہ امت کے بعد ہم
 آخر کو ماننا پڑا ہے نفس خیر و سر
 امت سے تجھی دعا کہ جون بد نام شہر شہر
 حالی کی سن لو اور صدائیں جگر خراش
 دلکش صدا سنو گے نہ پھر اس صدا کے بعد
 اب غم کے سوا ہے دھرا کیا جا کے بعد
 ہوتی ہے عاقبت کی توقع بلا کے بعد
 بڑھتا ہے اور ذوق گنہ این نہ کے بعد
 آتی ہے دل کی موت نظر اس شفا کے بعد
 آگے خدا کا نام ہے ناصح خدا کے بعد
 ہوتی رہی ہمیشہ ندامت خطا کے بعد
 تیرا بھی حکم کم نہیں حکمت نہ کے بعد
 بارے ہوئی قبول بہت التوا کے بعد

کہیں خوف اور کہیں غالب ہو ظاہر زاہر
 در گذر گر نہیں کرتا وہ گنہگار دن سے
 ہم دکھا دین گے کہ زہر اور ہے نیکی کچھ اور
 قریب حق کے لیے کچھ سوز نہان بھی ہو ضرور
 ہمراہ ہے چھوٹا میرا چاہے زاہر
 تو ترا اور کوئی ہو گا خدا سے زاہر
 کچھ بہت دور نہیں روز جزا سے زاہر
 خشک افelon میں ہوا کیا ہو بھلا کا زاہر

مین تو سوار ملوان دلی نہیں ملتا تم سے
جال جب تک ہے پھیلا ہوا دینداری کا
عیب حالی کے بہت گج کیونے بیان

تو ہی کہہ رہیں ہے کیا میری خطا کی زاہد
منکر دنیا کا کرے تیری بلا اسے زاہد
ذکر کچھ اور کر اب اس کے سوا اسے زاہد

پیاس تیری بوسے ساغر سے لذیذ
چکا تو قاتل ہو پھر اُس کے لیے
لغات ہو تیری طرت سے باعتبار
قد سے شیریں تری پہلی تگاد
جھا بچھین جس بھوک کی بھولے نہ تو
جو یہ تجھ میں کس کی بوباس کے صبا
جو فناء کے ہیں حالی میمان

بلکہ جام آب کوثر سے لذیذ
کوئی نعمت ہے خیر سے لذیذ
ہم کو ہے سب شدت شکوے لذیذ
دوسری قدر کمر سے لذیذ
جھوکا ہے وہ شیر باد سے لذیذ
بوی بیدر شک عینر سے لذیذ
اُن کو فاسے ہیں نر غفر سے لذیذ

سہی یہ تکیہ تری عطاؤں پر
رہیں نا آشنا زمانہ سے
رہرو و باخسود ہو کہ گان
ہے وہ دیر آشنا تو عجب ہو کیا
اُنکے کو چہ میں ہیں نہ بے پوبال
شہسواروں پہ بند ہے جو راہ
نہیں شمس کو اسکی روز نصیب
ہمیں محمد و جشتین تیری
حق سے درخواست عفو کی حالی

وہی اصرار ہے خطاؤں پر
حق ہے چیرا یا سناؤں پر
رہزنی کا ہے رہناؤں پر
مستے ہیں ہم انھیں اداؤں پر
اُٹتے پھرتے ہیں جو ہواؤں پر
دقت ہے یہاں بہ ہنہ پاؤں پر
مینہ برستا ہو جو گداؤں پر
زاہدون پر نہ پارساؤں پر
کچھ کس منہ سے ان خطاؤں پر

کرتے ہیں سو سو طرح سے جلوہ گر ۱۷ ایک ہوتا ہے اگر ہم میں ہنس
 جانتے ہیں آپ کو پرہیزگار ۱۸ عیب کوئی کر نہیں سکتے اگر
 دوست اُسکے ہیں اُسکے آشنا ۱۹ گو بظاہر سب سے ہیں شیر و شکر
 خصلتیں رو باہ کی رکھتے ہیں ہم ۲۰ گو دکھاتے آپ کو ہیں شیر و زور
 اپنی نیکی کا دلاتے ہیں یقین ۲۱ کرتے ہیں نفرت بدی سے جھوٹ
 کرنی پڑتی ہے کسی کی معجب ۲۲ کرتے ہیں تفسیر اکثر مختصر
 گر کسی کا عیب سن پاتے ہیں ہم ۲۳ کرتے ہیں رسوا سے دل کھول کر
 کی نہیں جس سے کبھی کوئی بدی ۲۴ شکر کے ہیں اس سے خواہان عمر بھر
 ایک بخشش ہیں بڑا دیتے ہیں سب ۲۵ ہوں کسی کے ہمہ لاکھ احسان اگر
 عیب کچھ گنتے نہیں اُس عیب کو مسما ۲۶ جس سے ہوں اپنے سوا سب بغیر
 خیر کا ہوتا ہے ظن غالب جان ۲۷ کھینچ کر لاتے ہیں اُسکو سوئے شمر
 بنتے ہیں یاروں کے ناصح تاکہ ہو ۲۸ عیب اُن کا ظاہر اور اپنا ہنر
 دوست اک عالم کے پر طالب کے دوست ۲۹ ایسے یاروں سے حذر یا رو خدا

عیب حالی اپنے یوں کہتا ہو کون

خواہش تحسین ہے حضرت کو گر

ہو گی نہ قدر جان کی قربان کیے بغیر ۳۰ دام اٹھیں گے نہ جہنم کے اذنان کیے بغیر
 گو ہو شفا سے یاس پہ جہنم کے یوں ۳۱ بن لے گی نہ درد کا درمان کیے بغیر
 بگڑی ہوئی بہت ہو کچھ اس باغ کی ہوا ۳۲ یہ باغ کو رہے گی نہ دیران کیے بغیر
 آمادہ دہر پردہ دہری پر ہے قوم کی ۳۳ مبر دھس کو رہے گا دعویٰ ان کیے بغیر
 غمت سے اپنی یاروں کو کچھ آٹری ہو ضد ۳۴ چھوڑینگے نجان کو نہ بیجان کیے بغیر
 شکل بہت ہو گو کہ مٹانا سلف کا نام ۳۵ مشکل کو ہم طلبیں گے نہ آسان کیے بغیر

گوئے ہے مُند و تلخ پہ ساقی ہے دلربا سلائے شیخ بن پڑے گی نہ کچھ مان کیے بغیر
تکفیر جو کرتے ہیں ابناے وقت کی جھوٹے گا وقت اُنھیں غم مسلمان کیے بغیر

حالی کٹر گاکاٹنے ہی سے پیسٹون

حل ہوں گی شکلیں غم یہ آسان کیے بغیر

ط

گھر ہے دشت خیز اور بستی اُجاڑ - ہو گئی ایک ایک گھڑی چھ بن ہواڑ
آج تک قصرِ آمل ہے نامتام بندھ چکی ہر بار ہا کھل کھل کے پاڑ
ہے پونچنا اپنا چوٹی تک حال اے طلب نکلا بہت اونچا ہواڑ
کھیلنا آتا ہے ہم کو بھی شکار پر شہسین زارہ کوئی ٹٹی کی آڑ
دل نہیں روشن تو ہیں کس کام کے سونہستان میں اگر روشن ہیں جھاڑ
عبید اور نور و زہے سب لے گئے سا دل نہیں حاضر تو دنیا ہے اُجاڑ
کھیت رستے پہ سہ اور زہر و سوار کشت ہے سرسبز اور بچی ہے باڑ
بات دا عظ کی کوئی پکڑی گئی ان دنوں کتر ہے کچھ ہم پرست اڑ
تم نے حالی کھول کر ناحق زبان کر لیا ساری حسد اُٹی سے بگاڑ

ط

عہدِ مصال دل نے بھلایا نہیں ہنوز - عالم مری نشہ میں سما یا نہیں ہنوز
پیغامِ دوست کا کوئی لایا نہیں ہنوز جھوٹا نسیم مصر کا آیا نہیں ہنوز
لگ جائے دل نہ منزل مقصود میں کہیں ہم جس کو ڈھونڈتے تھے ہیں وہ پایا نہیں ہنوز
آیا نہوگا اُس کو تعسا فل میں کچھ خرا ذوق نگاہ ہم نے جتایا نہیں ہنوز
ایمن میں آگ لگ چکی اور طور جل چکا اُس نے نقاب اُنچے اٹھایا نہیں ہنوز
یاں دیکھی جواب ایسے جواب خط وان نامسر بر نے بار بھی پایا نہیں ہنوز

پایا ہے ذوق و شوق میں ہم کو بھرا ہوا
کیا دل سے بعد مرگ بھی جاتی نہ تیری یاد
سراپا یہ خلوات و دو عالم ہے راز دل
کس نشہ میں ہے چور خدا جانے اس قدر
حالی نے جامِ منہ سے لگایا نہیں ہنوز

جیتے جی موت کے تم ٹھہرین نہ جانا ہرگز
عشق بھی تاک میں بیٹھا ہو نظر باز و کی
زال کی پہلی ہی رستم کو نصیحت یہ تھی
چاہت اک طلعت مکروہ ہو برقع میں نہان
اٹھ گئے نہون پیری میں اگر حسرت ہو
جنے نہ تھے تھے ہو گئے ویرانِ عشق
کوچ سب کر گئے ولی سے تری قد شناس
تذکرہ ولی مرحوم کا اسے دوست نہ چھڑ
داستانِ گل کی خزان میں نہ سنا اور بلب
ٹھوٹھوٹھتا ہو دل شوریدہ بہانے مطرب
صحبتیں اگلی مصور بہین یاد آئیں گی
موجزن دلیں ہیں یاں سخن کے دریا چشم
لیکے داغ آئے گا سینے پہ بہت اموی سیاح
چنے چنے پہ ہیں یاں گوہر کتب خانہ خاک
رہ گئے تیرے مٹانے کے نشان بھی اتو
وہ تو بھولے تھے ہمیں ہم بھی بھول گئے

دوستو دل نہ لگانا نہ لگانا ہرگز
دیکھنا شیر سے آنکھیں نہ لانا ہرگز
زد میں تیر صفِ مرگان کی جانا ہرگز
کسی دلالہ کے دھوکے میں نہ آنا ہرگز
تو جوانی میں یہ روگ بسا نا ہرگز
آگے ویرانوں میں اب مگر نہ سانا ہرگز
قد ریاں رہ کے اس اپنی نہ گوانا ہرگز
نہ سنا جائے گا ہم سے یہ سنا ہرگز
بہتے بہتے ہمیں ظالم نہ رلانا ہرگز
در داغِ غمِ غمِ غم کوئی نہ گانا ہرگز
کوئی دیکھ پ مرقع نہ دکھانا ہرگز
دیکھنا ابر سے آنکھیں نہ چرانا ہرگز
دیکھ اُس شہر کے کھنڈ و دھن نہ جانا ہرگز
دفن ہو گا کہیں اتنا نہ خزانہ ہرگز
اسے فلک اس سے زیادہ ڈھانا ہرگز
ایسا بدلا ہے نہ بدلے گا زمانہ ہرگز

جسکو زخموں سے حادثہ کے اچھا سمجھیں
ہمکو گرتوں نے ڈلایا تو دلایا اسے چرخ
یار خود روئیں گے کیا ان پہ جہان رہتا
آخری دور میں بھی تجھکو قسم ہے ساتی
بخت سوئے ہیں بہت جاگ اور زبان
یاں سو خست ہو سویر کو کہیں اور عیش و نشاط
کبھی لے علم دہن نہ گھر تھا تھا راولی
شاعری مر جلی اب زندہ نہوگی یار
طالب شفیقہ و نیر آمد وہ فوق
موسم غلوی و صہبائی و نمون کے بعد
کردیا مر کے یگانوں نے یگانہ ہم کو
واغ و محرم کو سن لو کہ پھر اس گلشن میں
رات آخر ہوئی اور بزم ہوئی زبرد زبرد

نظر آتا نہیں ایک ایسا گھر انا ہرگز
ہم پر غیروں کو تو ظالم نہ ہنسا نا ہرگز
اُن کی ہستی ہوئی شکلوں پہ نہ جانا ہرگز
بھر کے اک جام نہ پیاسوں کو پلانا ہرگز
نہ ابھی نیند کے ماتوں کو چگانا ہرگز
نہیں اس درمیان تیرا ٹھکانا ہرگز
ہم کو کھٹو لے ہو تو گھر بھول نہ جانا ہرگز
یاد کر کے اُسے جی نہ کرھانا ہرگز
اب دکھ لے گا یہ نگلین نہ مانا ہرگز
شعر کا نام نہ لے گا کوئی دانا ہرگز
در نہ یان کوئی نہ تھا ہم میں یگانہ ہرگز
نہ سنے گا کوئی بلبل کا ترانہ ہرگز
اب نہ دیکھو گے کبھی لطف شباب ہرگز

بزم ماتم تو نہیں بزم سخن ہو حالی

یاں مناسب نہیں رہے ڈلانا ہرگز

بہش و التفات و ناز و نیاز
عشق کی آنچ اس میں پاتا ہوں
شیخ الہی تیری عیاری
اک تپے کی جو تپنے لگی آج
ہم کو نسبت پہ فخر ہے تیری
آج منکر بھی ناچ اٹھیں گے
ہمنے دیئے بہت نشیب و فراز
دل ذرا دیکھتا ہوں جس کا گداز
کس تو جیسے پڑھ رہا ہے ناز
رنگ و اعظ کا کر گپ پرواز
تو گئی بھول ہم کو خاک حجاز
گرمستی کی ہے یہی آواز

خیر ہے اے فنک کہ چار طرٹ ^۱ چل رہی ہیں ہوا میں کچھ بنا ساز
 رنگ بدلا ہوا ہے عالم کا ^۲ ہیں دگرگون زمانہ کے انداز
 ہوتے جاتے ہیں زورِ مضیعت ^۳ بنتے جاتے ہیں ہتزل ممتاز
 چھپتے پھرتے ہیں کبک تھوڑے ^۴ گھونسلوں میں عقاب اور شہباز
 ہے نہنوں کو رکھڑ میں خطر ^۵ رہزنیوں نے کیے ہیں ہاتھ دراز
 مڈیوں کا ہے کھیتوں پر هجوم ^۶ بھیڑیوں کے ہیں خون میں تلب گز
 ناتوانوں پر گدہ ہیں منڈلاتے ^۷ گھائلوں پر ہیں ہیز تیرا انداز
 تشنہ خون ہیں بھوکے شیر ذن کے ^۸ حیلہ گرد وہوں کے عشوہ ناز
 بٹمنوں کے ہیں دست خود جاسو ^۹ اور یاروں کے یار ہیں غماز
 ہوگا انجام دیکھے کیا کچھ ^{۱۰} ہے پُر آشوب جبکہ یہ آعناز
 نے ابھی تک کھلی نہیں لیکن ^{۱۱} غیب سے آرہی ہے کچھ آواز
 وقت نازک ہے اپنے چڑے پر ^{۱۲} موج پائل ہے اور ہوانا ساز
 یا تھپیڑے ہوا کے لے اُجھے ^{۱۳} یا گیا کشمکش میں ڈوب جہاز
 کام اُسے اپنے سوپ دو حالی ^{۱۴} نہیں جس کا شریک اور انباز
 ہے وہ مالک ڈبوئے خواہ تراے ^{۱۵} چارہ بان کیا ہے غیر عجز نیاز

س

جاذبِ رحمت ہے مقناطیسِ عصبان اپنے پاس

رکھتے ہیں عاصی کُنڈ صیدِ غفران اپنے پاس

عاجز ذن سے معذرت کرتے ہیں اکسٹر درگزر

عجز اپنا ہے کلیدِ بابِ رضوان اپنے پاس

لے نہیں سرف گھائی تھا جیکہ کی کو سلطان عبدالعزیز خان کے قتل کے بعد سرورہ انینگلو اور شیخ کے مقابلہ میں آخر میں ہوا

ہو گئی گر کچھ سمجھنے میں خطا سران کے
 عذر خواہ اپنا ہے خود فرمان سلطان اپنے پاس
 بام بتلا یا بلند اور نار سا بخشی کند
 رکھتے ہیں ہم اپنی معذوری پہ برہان اپنے پاس
 خاک میں ہنسنے لگا رکھی ہے اسیر اپنی راپ
 در نہ ہے ہر درد کا موجود و زمان اپنے پاس
 دست بردوار ہر من کا جس کو کچھ کھٹکا نہیں
 ہے بھگداس وہ مہر سلیمان اپنے پاس
 دیکھنا حالی زوینا وضع فطرت کو بل
 ہے یہ دستاویز استخلاف حان اپنے پاس
 چھٹرا بے نڈاے تصور مرگان یا رہیں
 یہ غم نہیں ہے وہ جسے کوئی بٹا سکے
 ہر ذرا غم فصل گل کی نشانی ہوئے صبا
 ڈھونڈ لوں گے ساتھ اسیدین بھی پس خائیں
 دین غیر دشمنی کا ہماری خیال چھوڑ
 آسمان میں نظر کرے ہوا ات اب تھر
 تھوڑی ہولت اور کہانی بہت بڑی
 حالی نکل سکیں گے نہ دیکھے بخاریں

ش

اک ہم کو ہم پر سایہ ہے در پیش
 بننا نظر آتا نہیں جو کام ہے در پیش
 غفلت ہو کہ گھیر کر ہوے ہو چار طرے سے
 اور معرکہ اگر دشمن ایام ہے در پیش

اوہ دن کے جب تمام صبح کا آغاز
اب اس مرض صبح کا انجام ہے درپیش
گو صبح بھی تھی روز مصیبت کی قیامت
پر صبح تو چون تون کٹی ایشام ہے درپیش
وہ وقت گیا۔ نشہ تھا زور و زور پر جب اپنا
اب وقت خوابے گلغام ہے درپیش
امید شفا کا تو جواب آہی چکا ہے
اب موت کا سننا ہمیں بنیام ہے درپیش

جس اس کا کسی کام میں لگتا نہیں
ظاہر ہے کہ حالی کو کوئی کام ہے درپیش

ص

بشر سے انکی غصہ ہیں عطا میں خاص خاص
ہر مرض کو اس میں صبر و ادب خاص خاص
دل تو اپنا پھر چکا ہے زال دنیا سے بگر
بہرین میں بھی انکی اد میں خاص خاص
گو زمانہ نے بھلا دی دل سے اپنے فصل گل
یاد میں لیکن نہ بلبل کی صد میں خاص خاص
نہد و تقویٰ سے نہیں ہوتیں عائن مستجاب
وقت میں کچھ خاص خاص اور میں خاص خاص

یوں تو ہر امید بکچھ پر نہوں شاید مات
وہ جو کی ہیں ہم نے لے حالی خطا میں خاص خاص

درد اور درد کی ہر سب کے درد ایک ہی شخص
یان ہے جلاؤ و جلاؤ بخدا ایک ہی شخص
حور و غلمان کے لیے لائیں دل آخر کس کا
ہو دیتا نہیں یا عہد برآ ایک ہی شخص
قافلے گذرین دہان کیونکہ سلامت اعظ
ہو جہان بہرین اور انہما ایک ہی شخص
تیس سا پھر کوئی اٹھتا نہ بی عامرین
فخر ہوتا ہے ٹھٹھنے کا سدا ایک ہی شخص
جگٹھے دیکھے ہیں جن لوگوں کے آنکھوں نے
آج دیا کوئی بے ہودہ کھا ایک ہی شخص
گھر میں برکت ہو مگر فیض ہر جاری شہد و ز
کچھ سہی شیخ بگر ہے بخدا ایک ہی شخص

اعترافوں کا زمانہ ہے حالی پہ پتھر
شاعر اس کی خدائی میں ہو کیا ایک ہی شخص

ض

عشق کو ترک جنوں سے کیا غرض
دل میں ہر اسے خضر گریہ طلب
چرخ گردان ہو سکون سے کیا غرض
راہرو کو رہنمون سے کیا غرض
گھر کے عمارتوں سے کیا غرض
انکو جنگ دار غزون سے کیا غرض
ہمو تفتیش دیون سے کیا غرض
انکو اپنے شک خن سے کیا غرض
شیر کو صید زبون سے کیا غرض
اب اُسے دنیا سے کیا غرض
کر چکا جب شیخ تسخیر ملوب

آئے ہو حالی پہ تسلیم یان
آگے چون چگون سے کیا غرض

دوست کا ناروا نہیں اعراض
چاہیے ایک سب کا ہر مقصود
دوستوں ہی کا کام ہے اغراض
گوہن سب کے جدا جدا اغراض
دیکھیے تو بھی خوش ہے یا ناخوش
لا ابا کی بات تیغاً رکنی
منعمو بذل خیر میں یہ دیر
حق میں اپنوں کے سخت مسک ہیں
راے ہے کچھ علیل سی تیری
عظ میں گل کترے ہیں واعظ
ہے فقیہوں میں اور ہم میں نزاع
دوستوں سے سب کام ہے اغراض
گوہن سب کے جدا جدا اغراض
کھو دیے ایک ڈھکے نے سب امراض
اور تو ہم سے سب ہیں کچھ ناراض
گل ناس و انت عتے راض
اپنا مطلب اور اس پہ سوا اغراض
جو کہ اور رون کے حق میں ہیں فیاض
بنف میں اپنی بھی دیکھ اے بتا غرض
سُخ میں اُن کے زبان ہر یا غرض
ہل لٹا فی خرواعنا من قاض

ہے ریاضت پہ ناز کیا زاہد خار کش تجھ سے ہے سوا مراض
 شج کی تھی یہ احسری تلقین چاہیے زر تو اس سے کرا مراض
 ایسی غزلیں سنیں نہ یقین حالی
 یہ نکالی کہاں سے تم نے بیاض

ط

رات گزری ہو چکا دور نشاط طے ہوئی بس ایک ہی دم میں بساط
 دل سے خوشیاں ہو گئیں اب گوشہ گیر نام تھا شاید جوانی کا نشاط
 دن اب بدل منقبض رہنے کے ہیں ہو چکا ہونا تھا جو کچھ اب نشاط
 غنچہ چپکا اور آہو بچی خزان فصل گل کی تھی نقط اتنی بساط
 زینہ منبر ہے لغزش کی جگہ جانو دواعظ اسے راہ و صراط
 تو بھی کھانے میں نہیں محتاط شج ہم کریں پیئے میں کیوں پھر احتیاط
 کوچ کی حالی کرو تیار بیان
 ہے قوی میں دسبدم اب خطاط

ظ

چھپے ہیں حرفیوں میں احوار و اعظ بڑا کہہ نہ رندوں کو زہار و اعظ
 سدا قمر ہی قمر ہے عاصیوں پر نہ نثار ہے تو نہ غفارا و اعظ
 نکل آئے گی میکشی کی بھی جلالت کوئی مل گیا اگر ہیں بار و اعظ
 کوئی بات دیکھی نہیں تجھ میں لیکن سنا ہے کہ ہوتے ہیں عیا و اعظ
 ہمیں ادب بھی تجھ سے کرتے ہیں مہظن یہ جوشہ یہ ریش اور یہ دستار و اعظ
 نہ چھوڑے گا زیور گھروں میں نہ زر تو یہی ہے اگر حسن گفتار و اعظ
 مسلمان نہ ہم کاش حالی کو کتے ہوے بات کہہ کر گنہگار و اعظ

ع

اے بہارِ زندگانی الوداع

اے بیاضِ صبحِ پیریِ اسلام

اے سلامِ قاصدِ ملکِ بقا

روزگارِ ضعف و سستیِ الصلا

فرستِ عشق و جوانیِ الفراق

تجھ کو سمجھے تھے نعیمِ جاودان

تیرے جاتے ہی گئیں سب خیال

اے خدا کی مہرِ بانی الوداع

اے زندگانی الوداع

غ

کل کب سے چین میں یہ کہتا تھا ایک شاغ

ہر تاک میں عقاب تو شہباز گھات میں

یارب نگاہِ بد سے چین کو بچاؤ

دو چار گامِ نقشِ قدمِ ل کے رہ گئے

آئینِ پینِ وہ شوقِ سحرِ جواہلِ طرب

جنگل میں تختہِ گل خود رو کو دکھ کر

حالی بھی پڑھنے کے تھے کچھ بزمِ شعر میں

باری تب آن کی آئی کہ گل ہو گئے چراغ

ف

حق نہ ملانے کچھ بتایا صاف

اور نہ صوفی نے کچھ دکھایا صاف

آنکھ اپنی ہی جب تلک نہ کھلی
کبھی دشمن سے بھی نہ کھٹکے ہم
ناہر دہم تو تھے ہی آلودہ
کیون فقیہوں سے ترک گئے حالی

مہر روشن نظر نہ آیا صاف
صاف تھے آپ سب کو پایا صاف
ٹھکو بھی ہنسنے کچھ نہ پایا صاف
بھید تم نے نہ کچھ بتایا صاف

ق

نہ ہم ہین یار کی محفل میں بار کے لائق
کرے گا کیا ترا کھل الجواہرے کمال
مکان عاریتی اور لباس بوسیدہ
غزور و حرص ہین زیور عروس دنیا کے
کرے گی باد بہار آکے اب کے سرسبز
بس اب ہر فضلہ روباہ و گرگ پر گزبان
گنہ کا عذر کرین محتسب ہم آنکھوں سے
گرہ میں دام نہ دفتر میں نام ہو حالی
یہ ہنسنے مانا کہ تم میں ہنر بھی ہین کچھ کچھ

نہ اپنا کلبہ احزان ہر یار کے لائق
نہین یہ آنکھ ہی دیدار یار کے لائق
بہت ہو زندگی مستعار کے لائق
بناؤ تھے یہی اس تابکار کے لائق
رہا نہ باغ قدوم ہمار کے لائق
رہا نہ شیر ثیان خود شکار کے لائق
ہمارے جرم ہوں گرا عذار کے لائق
حقین تو شہر میں ہوا اعتبار کے لائق
مگر نہین کوئی خوبی شمار کے لائق

دلون کا کھوٹ اگر کیسے بر ملا ایک
سلامتی کو وہاں قافلون کی روٹھین
زمانہ پھر نظر آتا ہے کچھ ترنی پر
رہا ہوں زند بھی لے شیخ پارسا بھی میں
وفا کی ایک بچتی سے امید ہوا اس وقت
چھپا کے اُس سے قصور اپنے ہم بہت شری

تو آشنا سے ہو بیگانہ آشنا ایک ایک
جہان ہر راہزن خلق رہنا ایک ایک
بنا ہر غوث زمان آجکل گدا ایک ایک
مری بھگاہ میں ہر دن پارسا ایک ایک
کہ بار بار سے ہو جائیگا جدا ایک ایک
جب آپ منہ سرگی بلو خطا ایک ایک

ہوا نہ ایک بھی حق اس کی بندگی کا ادا
امیر حاج کی ہمت میں گرنے آئے قصور
ہم آج بیٹھے ہیں ترتیب کرنے دستہ کو
بہار نے بھی نہ بلبل تری بھجائی آگ
وہ عشق ہے نہ جوانی وہ تو ہر اب نہ وہ ہم
نہ ہم رہیں گے نہ حالی پے پھر شمع جان
رہیگی حالی دلگیر کی صدا ایک ایک
کیا ہے جس نے حق خواہی کو ایک ایک
تو معوج بحر ہر کشتی کی تا خدا ایک ایک
ورق جب اُسکا اڑا لے گئی ہو ایک ایک
جگر کے پار ہے اب بھی تری فدا ایک ایک
پہ دل پہ نقش ہر ابتک نے ہی صدا ایک ایک

عالم آزادگان ہر اک جہاں سے الگ
پاک ہیں آلائشوں میں بندہ شوق لگاؤ
دوست کے ہر جان نثار اپنا ہو یا بیگانہ ہو
صوب کی سُن لیتے ہیں لیکن اپنی کچھ کہتے نہیں
جانچتے اور ان کو ہیں خود لے کے اپنا امتحان
اک چمن زیر نقیج رکھتے ہیں زیر نعل
کلبہ احزان ہر روشن اُن کا جس مہتاب سے
سیکڑوں پھنڈن میں یاں جکڑا ہوا ہے بند بند
شاعروں کے ہیں سب انداز سخن دیکھے ہوئے

مال ہو نایاب پر گاہک ہیں اکثر بیخبر
شہر میں کھولی ہو حالی نزدکان سے الگ
صلح ہر اک مہلت سیانہ جنگ کرتے ہیں بھرنے کو یاں خالی تفنگ
عہد گیتی پر نہ پھولیں کامران آخر اس کی آستنی لائے گی رنگ

علم کیا۔ اخلاق کیا۔ ہتھیار کیا
 رو کیے بد خو کو بد خوئی سے کیوں
 زہر و طاعت پر جوانوں کی نہ جاؤ
 پاکبازوں کو نہیں کچھ درِ وضع
 کام کا شاید زمانہ ہو چکا
 وہ عجائب نظر آتے ہیں کھیل
 کا ہشون ہو پورش پاتی ہے روح
 عقل شاید ٹک مین باقی ہے کچھ
 بڑھ گیا ہے جسم انسانی بہت
 سب شہر کے مار کھنے کے ہیں ٹھنک
 آپ اپنی خوشے آجائے گا تنگ
 یہ بھی ہوا کہ نوجوانی کی ترنگ
 جو مین اچھو اُن پر سب کھلتی ہیں رنگ
 دلیں اب اٹھتی نہیں کوئی اُننگ
 دیکھ پیلے جن کو رہ جاتے تھو رنگ
 اب لگا کھایا پیاسا کے انگ
 ہوا بھی کچھ حاصل ایفون و بھنگ
 ہوگی ایجاد اب نئی تو پاؤ رنگ

قوم کو حالی نہیں اس اتفاق
 پھوٹ ہی کا بس کھلے گا ہمہ رنگ

ہو گئے ہیں ہم ہی کچھ اور آج کل
 رہ گئے ہیں کچھ کچھ آثارِ سلف
 اک سنبھلتے ہم نظر آتے نہیں
 کب تک آخر ٹھہر سکتا ہو وہ گھر
 ناؤ ڈوبے یا کہیں گھیرا ہو پار
 اب لگاؤ پودہ کچھ اپنی نئی
 دیکھئے بھٹتا ہے کب تک پاس وضع
 کوششوں میں کچھ مزا آتا نہیں
 اب سُنو حالی کے نوے عمر بھر
 یا زمانہ ہی گیا یا رب بدل
 اور ابھی ہونا ہے شاید بتدل
 دور نہ گر کر گر گئے لاکھوں سنبھل
 آگیا بنیاد میں جس کی خل
 تیری جد بھی کچھ ہے اس طولِ اہل
 لاسکے پوٹے بہت اگلوں کے پھل
 ہم نہ بولے اور گیا عالم بدل
 وقت کوشش کا گپاٹا پھل
 ہو چکا ہنگامہ مدح و غنم

مروسیہ میں دہر کے روبرو تھا بیٹھے تھے ہم
 پھر وہی ہم ہیں کہ ہر عشوہ پہن کا فرکے لوٹ
 صحبتیں اہل و بیع کی سب گئیں نظر سے گر
 شیخ دنیا کی حقیقت رہ کے دنیا میں گلی
 ہم نہ تھے آگاہ و اعجاز شست خوبی سوتری
 سعی کا انجام پہلے ہی سے آتا تھا نظر

اٹھ بیٹھے ہی کوئے جیسے جا بیٹھے تھے ہم
 زلال دنیا سے ابھی ہو کر خست بیٹھے تھے ہم
 بزم رندان میں یونہی اک روز جا بیٹھے تھے ہم
 در نہ دھوکا - دور سے دیکھ کر کھا بیٹھے تھے ہم
 آدمی تجھ کو سمجھ کر پاس آ بیٹھے تھے ہم
 ہاتھ سائل ہی پیڑے سے اٹھا بیٹھے تھے ہم

ہم سے خود دنیا ہی تپائی نہالی نشان
 دین تک دنیا کی قیمت میں لگا بیٹھے تھے ہم

خو بیان اپنے میں گوبے اٹھا پاتے ہیں ہم
 خوت کا کوئی نشان ظاہر نہیں افعال میں
 کرتے ہیں طاعت تو کچھ خواہان تلاش کو نہیں
 دیدہ و دل کو خیانت ہم نہیں کھ سکتے بار
 دل میں در عشق نے مدت سے کر رکھا ہر گھر
 ہو کے نادم جرم سے پھر جرم کرتے ہیں ہی
 ہیں خدا ان دوستوں پر نہیں ہو صدق و صفا
 گو کسی کو آپ سے ہونے نہیں وسیع تھا
 جانتے اپنے سوا سب کو ہیں بے ہر دونا
 بخل سے منسوب کرتے ہیں زمانہ کو سدا
 ہو اگر مقصد میں ناکامی تو کر سکتے ہیں صبر
 کھڑے جاتے ہیں جتنے چشم عالم میں بھلے

پر ہر اک خوبی میں غلغلا عیب کا پاتے ہیں ہم
 گو کہ دل میں متصل خوت خدا پاتے ہیں ہم
 پر گنہ چھپ چھپ کے کرنے میں مزا پاتے ہیں ہم
 گرچہ دست و پا کو اکثر بے خطا پاتے ہیں ہم
 پڑتے آلودہ حصر و ہو پاتے ہیں ہم
 جرم سے گو آپ کو نادم سدا پاتے ہیں ہم
 بہت کم آپ میں صدق و صفا پاتے ہیں ہم
 اک جہان سے آپ کو لیکن خست پاتے ہیں ہم
 اپنے میں گر شتم ہر دونا پاتے ہیں ہم
 گر کبھی توفیق امشا و عطا پاتے ہیں ہم
 در و خود کامی کو لیکن بے دوا پاتے ہیں ہم
 حال نفس و دن کا اتنا ہی بُرا پاتے ہیں ہم

حب قدر مجھک مجھک ملتے ہیں بزرگِ فرخندے
کبر و ناز اتنا ہی اپنے میں سوا پاتے ہیں ہم
گو بھلائی کر کے مجھ سے خوش ہوتا ہو جی
تہ نشین اس میں مگر دریا پاتے ہیں ہم
ہے ردائے نیکنامی دوش پر اپنے مگر
داغ رسوائی کے کچھ زیرِ رو پاتے ہیں ہم
راہ کے طالب ہیں پرے راہ پڑنے میں قدم
دیکھئے کیا دھوڑتے ہیں اور کیا پاتے ہیں ہم
نور کے بننے لگے دیکھئے ہیں اور حالی مگر

رنگ کچھ تیری الاپوں میں نیلاتے ہیں ہم
آگے بڑھے نہ قصہ عشق بتان سے ہم
اب بھلا گئے ہیں سایہ عشق بتان سے ہم
خود رنگی شب کا مزا بھولسا نہیں
درد فراق و رشکِ عدوتک گران نہیں
جنت میں تو نہیں اگر اے زخمِ تیغِ عشق
لینے دو چین کوئی دم اے منکر و نیکر
ہنستے ہیں اُسکے گریہ بے اختیار پر
اب شوق سے بگاڑ کی باتیں کیا کرو
دلکش ہر ایک قطعہ صحرا ہے راہ میں
کچھ دل سے ہین ڈری ہو کچھ آسمان سے ہم
آئے ہیں آج چھوٹ کے قیدِ گران سے ہم
بھولے ہیں بات کہہ کے کوئی سازِ دان سے ہم
کچھ پائے ہیں آپ کی طرزا داسے ہم
ملتے ہیں جا کے دیکھئے کب کا دل سے ہم

لذتِ تیرے کلام میں آئی کہاں سے یہ

پوچھیں گے جا کے حالی جا دیان سے ہم

ن

یاروں کو تجھ سے حالی اب سرگراںیاں ہیں
ننیدیں اچاٹ دیتی تیری کہاںیاں ہیں
باد اسکی دل سے دھوکہ اور چشمِ تیرے تو قانون
اب دیکھنی مجھے بھی تیری رواںیاں ہیں
بنتے ہیں غیر اپنے ہوتے ہیں رام و حشی
الفت کی بھی جان میں کیا حکمِ انیاں ہیں

غلیبت ہو یا حضوری دو نور بری ہین تیری
 کہتے ہین جسکو جنت وہ اک جھلک ہو تیری
 رحمت تری غذا ہو غصہ ترا دوا ہے
 ہوگا تو پہلے ہوگا اسے چرخ مہربان تو
 اپنی نظریں بھی بان اب تو تھیں ہین ہم
 روتے ہین چار ہر ہنستے ہین چار ہر ہس
 ہر حکم پر ہون راضی ہر حال میں ہین خوش
 خاد سے باختر تک جن کے نشان تھو برپا
 دیکھا نہیں ابھی تک قحط الرجال تم نے
 کھیتوں کو فے لویا تھی اب ہر ہی ہو گنگا
 فضل و مہر بڑوں کے گرم ہین ہین فجانین

جب بدگمانیاں تھیں اب بد زبانیاں ہین
 سب واعظوں کی باقی رنگین بیانیان ہین
 شانین ہین تیری جتنی جان جانیاں ہین
 کچھ ان دنوں تو ہمیر نامہربانیاں ہین
 بے غیرتی کی یاد داپ زندگانیاں ہین
 یان تک ہماری ہو چکی اب تاونیاں ہین
 حصہ میں اب ہمارے یہ شادمانیاں ہین
 کچھ مقبروں میں باقی ان کی نشانیاں ہین
 اس سے بھی سخت آتی آگے گرانیاں ہین
 کچھ کر لو جو اٹھتی جوانیاں ہین
 گر یہ نہیں تو بابا وہ سب کہانیاں ہین

رنے میں تیرے حالی لذت ہو کچھ نرالی

یہ خون نشانیاں ہین یا گلستانیاں ہین

جب سے مٹنی ہے تیری حقیقت چین نہیں اک آن ہین
 اب نہ سین گے ذکر کسی کا آگے کو ہرے کان ہین
 کچھ نہ وزدن غفلت میں پھرے بان ڈھونڈتے ہم آسائش کو
 کھل گئی جب دنیا کی حقیقت کچھ نہ نہ ہاتھیاں ہین
 چل کے نئی اک حال فلک نے کھو دیے ہوش حریفوں کے
 زد سے بچیں یا مات قبولین اتے نہیں اوسیاں ہین
 پاس انھیں گرا پڑا ہو حسان اپنی بھی ان پسند ہو
 کرتے ہین خدنا منصفیاں اور گشتے ہین اسرار ہین

داد طلب سب غیر ہوں جب تو ان میں کسی کا پاس نہ ہو
بتلائی ہے زمانہ نے انصاف کی یہ چپان ہمیں
صحرا میں کچھ بکریوں کو قصاب چراتا پھرتا تھا
دیکھ کے اُس کو سہارے آگئے یاد حسان ہمیں
یاں تو بدولت زہد و ورع کے بچھ گئی خاصی عزت سے
بُن نہ پڑا پر کل کے لیے جو کرنا تھا سا مان ہمیں
سُرخ تھے وہی اور تال وہی پر راگنی کچھ بیوقت سی تھی
غل تو بہت یاروں نے محبا یا پڑ گئے اکثر ان ہمیں
غیر سے اب وہ بیرہنیں ادیار سے اب وہ پیار نہیں

بس کوئی دن کا اب حالی بان سمجھو تم حسان ہمیں
کی توہن تہنہ بھی حالی کوچ کی تیلیاں
سو جھتی ہیں راہ میں لیکن بہت شواہاں
خواب احتیج نہ لذت تیرا جو میری نہیں
جو جوانی میں مزار شی ٹھہرنا بیداریاں
ہیں اگر بیدار دیاں اپنوں کی دل کو ناگوار
ناگوار اُن سے سوا غیر دن کی ہیں غواریاں
جو کہیں اقبال کی نوبت کہیں دوبار کی
سب کو کرنی ہو گئی پوری اپنی اپنی باریاں
اتنی بھی لے عاقلو اچھی نہیں ہشیاریاں
زیست بے عقلوں کو ہو جائے بسر کرنی حال
اس سے بھکی اہل دنیا کی ہیں ظاہر داریاں
بے مزہ ہوا اہل دین کی ترشہ دنی بھی گر
گو طبیعت سے گئے سب بادی فاسد گل
کم ہو میں حالی نہ لیکن نقش کنیاریاں

راز دل کی سر بازار خبر کرتے ہیں
عقل کی بات کوئی تہنہ کسی ہے شاید
آج ہم شہر میں خون اپنا مڑ کرتے ہیں
جنتی آجھنے ہیں سب ہمسے حذر کرتے ہیں
جب کہ ہم اپنے گناہوں پر نظر کرتے ہیں
جرم خالق سے سوا پاتے ہیں جرم فقہا

اکم سے کم وعظمین اتنا تو اثر ہو واعظا !
 زہر و طاعت کا سہارا نہیں جسے زاہد
 عیب یہ ہے کہ کرو عیب بہر و کھلاؤ
 غمزدہ رنج و مصیبت پہ کرو ناز کہ وہ
 جی رکاوٹ سے جو انکی کبھی ٹک جاتا ہے
 اک بیان جیسے سے بیزاد ہیں ہیں یارب
 تلخیان زلیست کی تھوڑی سی ہی بیانی
 قیصر و زار کا یان پیٹ تو بھرنا معلوم
 بول قوال کے جو دلیلیں اثر کرتے ہیں
 یاد اللہ کو ہم آٹھ پس سر کرتے ہیں
 ورنہ ان عیب کو سب فریبہ کرتے ہیں
 دل دکھاتے ہیں ہی صہین کی نظر کرتے ہیں
 اک لگا دیکھتے ہیں ایہ سرود و پھر کرتے ہیں
 یا اسی طرح سب عمر بسر کرتے ہیں
 یہ ہم بھی جو خدا چاہے تو سر کرتے ہیں
 بس ہزاری ہی طرح دیکھی گذرتے ہیں

کہیں افکار کا جلد تو نہ ہو یہ حالی

آپ اکثر رضان ہی پس فرماتے ہیں

دیکھنا بر طوط نہ مجلس میں
 کی نصیحت بُری طرح نا صحیح
 ہو نہ مینا تو سرق پھر کیا ہے
 بقدم دم ہیں خافقا ہوں میں
 دین اور فقر تھے کبھی کچھ پس
 نہو قبضے میں جب عنان فرس
 جس سے نفرت ہو اہل نعمت کو
 ہو فرشتہ بھی تو نہیں انسان
 جانور آدمی فرشتہ خدا
 آج کل چرخِ صلح جو ہے بہت
 کی ہے غلوت پسند حالی نے
 رخنے نکلیں گے سیکڑوں اسہن
 اور ایک پس ملا دیا بس میں
 چشم افشان چشم نرگس میں
 بے عمل علم ہیں مدارس میں
 اب دھوکا گیا ہے اسہن اور اسہن
 تیج ہیں جو بہر ہیں فارس میں
 وہی نعمت ہے چشمِ مشک میں
 در دھوڑا بہت نہ ہو جس میں
 آدمی کی ہیں سیکڑوں نہیں
 دیکھئے ہو بگاڑ کس میں
 اب نہ دیکھو گے اس کو مجلس میں

بواہوس عشق کی لذت سے خبردار نہیں
 شہر میں اُن کے نہیں جنس وفا کی پوری
 کون سے وہ گل رعنا پہ نوا سنج نہیں
 کبھی لیلیٰ پہ ہن مفتون کبھی شیریں پہ فدا
 اٹھ نہیں سکتی سزا جرم وفا کی اُن سے
 عیش میں جان فدا کرنے کو تیار ہیں وہ
 نیت نیا ذائقہ چکھنے کا ہے لپکا اُن کو
 بواہوس کام طلب بندہ نفس اہل ہوا
 دعویٰ عشق و محبت پہ نہ جاننا اُن کے
 ہن سے ناب کے دلال قلع خوار نہیں
 بھاؤ ہن پوچھتے پھرتے پہ خریدار نہیں
 کون سی نرگس شہلا کے وہ بیمار نہیں
 اوز جو پھر کھو تو دوڑو سے سرو کار نہیں
 دل بھنسا کر کہیں بنے وہ گنگار نہیں
 اور جو ہو کیل کا کھٹکا بھی تو پھر یار نہیں
 در بدر جھانکنے پھرنے سے اٹھیں غار نہیں
 ایک عالم ہے اسی رنگ میں بچار نہیں
 ان میں گفتار ہی گفتار ہو کر دار نہیں

کے حالی بھی اگر عاشق صادق ہو نہیں

کدو والہ کد صادق نہیں نہ زمانہ نہیں

پھوٹکا ہر فصل گل نے صو آ کے پھر چین
 بلبل کے آگ سی کچھ تن میں لگ ہی ہو
 باد صبا گئی پھونک کیا جانے کان میں کیا
 چپ ہو زبان سو سن حیران ہو چشم نرگس
 ہن اور تو ادائیں ساری سہی قدوں کی
 ہے عید اہل سلام یا موسم بہار ان
 مسک سے دھوان سا اٹھالتے ہی نام سلام
 پھر زخم پھوٹ نکلا حالی نہ چھوڑا تھا
 گور وچکے ہن دکھڑا سو بار قوم کا ہر دم
 وہ قوم جو جہان میں کل صدر آہن تھی
 اک خسر سا ہر بریا مرنانغہ زن میں
 بجلی گری فلک سے یا گل کھلا چمن میں
 پھوٹے نہیں سہاتے غنچے جو پیر ہن میں
 قدرت کا دیکھ جلوہ نسرین دسترن میں
 پڑنی ہو جان باقی بس سرفرازوں میں
 جنگل بسا ہوا ہے عطر یار ہن میں
 بار و دیکھ رہی تھی گویا لب ہن میں
 فصل خزان کا قصہ ذکر گل و ہن میں
 پرتازگی وہی ہے اس قصہ کہن میں
 تم نے سنا بھی؟ اسپر کیا گزری گن میں

پائین بزم بھی اب ملتی نہیں اُسے جا
 رُوئے کی جون میں ہر مغرب اب ہر ملت
 وہ دن گئے کہ حکمت تھی مستندین کی
 وہ دن گئے کہ موتی شہوت تھے عدت کے
 قبرِ اویس پر ہر بس نخر اب قرن کو
 اس بلغ کی خزان نے کچھ خاک سی اڑادی
 ڈالی نہ ہوگی آگے اے دو برج شاہ
 فوج اور بھیر دونوں پھرتی ہیں بے سری سر
 خرد و بزرگ سائے ہیں بدحواس گویا
 بھولی ہوئی ہیں ڈالیں ہر فن کی چوڑی سب
 حالی بس اب نہیں بایں سنو کی تابانی

روزِ دن میں ہر وہ گلبن پھولا تھا جو چمن میں
 تھی سہناک کل تک جو شیر کے بُرن میں
 ہر اب بجلے حکمت خاک اڑ رہی چمن میں
 ہے کال موتیوں کا اب سرِ بخت میں
 زندہ اویس کوئی باقی نہیں قرن میں
 فصل بہار گویا آئی نہ تھی چمن میں
 جواکر تو نے مل جل ڈالی ہر انجمن میں
 گویا امیر شکر مارا گیا ہے رن میں
 لٹنے کی قافلہ کے پہونچی خبرِ وطن میں
 جائیں کہ ہر کہ ہر سو دن لگ ہی رن میں
 مانا کہ ہے بہت کچھ وسعت تر و سخن میں

نوکِ زبان نے تیری سینوں کو چھید ڈالا

ترکش میں ہر یہ پیکان اپنی زبان میں

ہے جب جو کہ خوب سے ہے خوب تر کمان
 ہیں دو درجہ اول شب میں خودی سودا
 یا رب اس اختلاط کا انجم ہو پچھر
 اک عمر چاہیے کہ گوارا ہو نیشِ عشق
 بس ہو چکا بیان کسلِ رنجِ راہ کا
 کون و مکان سے ہر دل وحشی کنارِ گیر

۱۷۰ میں کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ "الايمان يمان الحكمة يمانية" یعنی ایمان ہر توہین کا ہر

اور حکمت ہر توہین کی ہے، اسی بنا پر یہ راقدراود نے اپنے فلسفہ کا نام حکمت یا نیر رکھا ہے "۱۷۰"

ہم چہ ہر سبب میں ہو بہا رہا ہی کچھ اور ✓ عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو گر کہاں
ہوئی نہیں قبول دعا ترکِ عشق کی ✓ دل چاہتا نہ تو زبان میں اثر کہاں
حالی نشانہ دہو دھوٹتے ہو اب

آئے ہو وقتِ سحرِ رات بہر کہاں

پیارے نہ جام بے کدورت بزمِ دوران میں
نہیں کچھ محض و بستی زلف پریشان میں
اگر چھوڑ آگئے جذبہ عشق زلیخا لے
تھوڑے بھلا یا تیرے ذوقِ شادی و غم کو
خوشی میں بھی نہیں رہنا خوش آہا ایک حالت پر
زبانِ تیرے سے قاصر ظلمِ تحریر سے عاجز
فلک سے جیتے ہی معلوم رہنا کامِ دل کو خیر
نہ چھوڑے گی محبت یا رے ناکام عاشق کو
گل و نسیم تو کیا فرقت میں جی تھکھٹ جاتا
بہشت ان چاہلینِ بے دست کو تا پہنچو زلیخا تک

خزانِ لے گئے گمراہ اگر ہو نچے گلستان میں
جو دل چاہے تو اُنکے اک غبارِ وچھان میں
نہ رہنے دے گا حسنِ خودِ نیا و بے کفایت میں
نہ کچھ کھستے زندان میں نہ کچھ بہشتستان میں
کہاں تک جی شگہر لڑائی در و حیران میں
نہ پوچھو مجھے کیا دیکھا ہو مجھے بزمِ اعداں میں
سو کھل کر حسرت کیا دھڑا ہو آبِ حیران میں
نسیمِ صحر کو آتا ہو اکدن بیتِ احزان میں
ہمارا بھی کبھی لگتا تھا دل سیرِ گلستان میں
بھل کر جاہ کُنا جی ابھی رہنا ہو زندان میں

نہ دی حیرتِ حالی فرصتِ حیرانِ ادم

ہر ہم شہر میں ایسے کہ تھے گویا بیا بان میں

اب وہ اگلا سا انشائے نسیم
تجھ کو تم سے پر اعتماد و مٹا
بچ کیا کیا ہیں ایک جان کے ساتھ
یونہی گزرے تو سہل ہو لیکن
کونسی دل سوز ہو تو کبھی بیان
جسبہ بھولے تھے ہم وہ بات نہیں
تم کو مجھ سے پر التفات نہیں
رنگی موت ہو حیات نہیں
فرصتِ غم کو بھی ثبات نہیں
سرِ سری دل کی داڑیاں نہیں

دزدہ دزدہ ہے منظرِ خورشیدِ سلا جاگ لے آنکھوں ہر رات نہیں

قیس ہو کو کہن ہو یا حالی

عاشقی کچھ سیکی ذات نہیں

اچھ منہسی کھیل بیٹھلنا غم بھران میں نہیں
چاک دل میں ہر مے جو کہ گریبان میں نہیں
اک مڑا تھا سوہ اگلا دیش پہان میں نہیں
بات چھیتی ہوئی کوئی گلِ ریحان میں نہیں
فتنہ دہر ہے جو حسن وہ کنعان میں نہیں
مصلحت پر ہی صحبت رندان میں نہیں
جسکو ہم قید سمجھتے ہیں وہ زندان میں نہیں
بات جو کج ہو وہ کل غم بھران میں نہیں
خط میں لکھا ہو وہ القاب عنوان میں نہیں
ایسے اچھا دُترے کا کل پچان میں نہیں
اب بھی کہتے ہیں کہ ہم غیر نقصان میں نہیں
اب وہ اگلی سی ماری شب بھران میں نہیں

حالی زار کو کہتے ہیں کہ ہر شاہد باز

یہ تو آتار کچھ اس مردِ مسلمان میں نہیں

غمِ فرقت ہی میں مزا ہو تو دشوار نہیں
خبر بروئی کے لیے زشتی خوب بھی ہے ضرور
قول دینے میں تامل نہ قسم سے انکار
کل خرابات میں اک گوشہ سے آتی تھی صدا
حق ہوا کس سے ادا اُس کی وفا داری کا
شادی وصل بھی عاشق کو سزاوار نہیں
سچ تو یہ ہے کہ کوئی تجھ سا طرح دار نہیں
ہم کو سچا نظر آنا کوئی اقرار نہیں
دل میں سب کچھ ہو مگر خست گفتار نہیں
جسکے نزدیک بجا باعثِ آزار نہیں

دیکھتے ہیں کہ پہونچتی ہو وہاں کون سی راہ
کعبہ و دیر سے کچھ ہم کو سروکار نہیں
ہونگے قابلِ وہ ابھی مطلعِ ثانی سنکر
جو بجلی میں یہ کہتے ہیں کہ تکرار نہیں

ق میں تو میں غیر کو مرنے سے اب انکار نہیں
کچھ بیتِ منزلِ مقصود کا پایا ہم نے
چشمِ بدور بہت پھرتے ہیں اغیار کے ساتھ
ہو چکا ناز اٹھانے میں ہے گو کام تمام
مدتوں رشک نے اغیار سے ملنے نہ دیا
اصل مقصود کا ہر چیز میں ملتا ہو پتا
اک قیامت ہرے ہاتھ میں تلوار نہیں
جب یہ جانا کہ ہمیں طاقتِ رفتار نہیں
غیرتِ عشق سے اب تک وہ شیرِ زمین
سگر سدا کہ باہم کوئی ٹکرا رہیں
دل نے آخر یہ دیا حکم کہ کچھ عار نہیں
ورنہ ہم اور کسی شے کے طلبگار نہیں

بات جو دل میں چھپاے نہیں نئی حالی

سخت مشکل ہو کہ وہ قابلِ اظہار نہیں

دشت میں تھا خیال گل ویا سمن کمان
ہے بندگی کے ساتھ یہاں ذوقِ میر بھی
اہلِ طریق جس کو سمجھتے ہیں زادِ راہ
فصلِ خزانِ کمین میں ہو صیبا دکھائیں
لاتا ہے دلو و جد میں اک حرفِ آشنا
جی ڈھونڈھتا ہو بزمِ طرب میں انھیں مگر
دل ہو گیا ہے لذتِ غربت سے آشنا
کہتا ہو خیر ہم بھی سہی دشمنِ آپ کے

رو کا بہت کل آپ کو حالی دان مگر

جاتا ہے محو شوق کا دیوانہ پن کمان

کوئی محرم نہیں ماما جہان میں ✓ مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زبان میں ✓
 نفس میں جی نہیں لگتا کسی طرح ✓ لگا دو آگ کوئی آشیان میں ✓
 کوئی دن بوا ہوس بھی شاہ ہو لین ✓ دھرا کیا ہوا اشارات بہان میں ✓
 کہیں خجرام آپہنچا دفنا کا ✓ گھلا جاتا ہوں انکے امتحان میں ✓
 نیا ہے لیجئے جب نام اُس کا ✓ بہت وسعت ہو میری استان میں ✓
 دل پروردے کچھ کام لون گا ✓ اگر فرصت ملی مجھ کو جہان میں ✓
 بہت جی خوش ہوا حالی سہل کر ✓ ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہان میں ✓

مرے دلین ہو۔ گو مجھے نہان ہو ✓ مجھے بھی ٹھونڈھ لینا تم جہان ہو ✓
 نہ چھپڑوں تذکرہ وصل عدد کا ✓ اگر سمع مبارک پر گران ہو ✓
 تقاضائے محبت ہے۔ وگرنہ ✓ مجھے اور بھوٹ کا تم پر گمان ہو ✓
 بہت بقیہ رہوں محفل میں تیری ✓ کہیں ناخواندہ تو بھی میہان ہو ✓
 مجھے ڈالا ہے سودہم و گمان میں ✓ بہت کیوں آج مجھ پر مہربان ہو ✓
 کمر خون پر ہمارے باندھ رکھے ✓ جسے سستی ہماری دستاں ہو ✓

موت ہے بہت حالی ترا وعظا

کل اُسکے سامنے بھی کچھ بیان ہو

حکم ہے پر پیغان کا کہ جوانی نہ گنواؤ ✓ خیر کفارہ عصیان ہے پورا و ر پلاؤ ✓
 دل کو کس طرح سمجھے کہ وہی ہو بدل ✓ وہ امیدیں ہیں ارمان انگین ہیں نہ چاؤ ✓
 یار کو یار سمجھتا ہے نہ تو غیب کو غیب ✓ تو تو اچھا ہے گریز ہے بُرے ہیں برتاؤ ✓
 دوست ہوں جسکے ہزاروں کہ کلا نہیں جوت ✓ سچ بتا مجھ کو کسی سے بھی ہو دنیا میں لگاؤ ✓
 تو وہی برق جہان سوز ہی بن خواہ نہ بن ✓ ہو برابر ترا بے ساختہ پن اور بتاؤ ✓

ایک ہی دوست اور اُس سے ہمیں چھوٹاتے ہو
 ہو گیا ذکر قیامت تو اجیہ سن و اعظ
 بھگولے ابر بلادیکھ کے جی جھوٹ گیا
 باہو بچ لے خضر کہ ہے وقت مدد گاری کا
 دیکھیں کس طرح دس سبز ہو پھر کشت اسید
 لے شرافت تھے بکنا ہوا گرفت تو یک
 قافلے ساتھ کے جاہو بچے حرم لگ کھابک

اُس کے نالوں نے کیا بزم کو آخر لطفے

ہم نہ کہتے تھے کہ حالی کو نہ محفل میں بلاد

در فیض حق بند جب تھانہ اب کچھ
 ہر اک کو نہیں ملتی یاں بھیک زاہد
 کچھ اور آؤ بن کر تم اے میر و مرزا
 یہ طبل تھی ہن جو بنکارتے ہن
 دیا تو نے یاں جس بہانے سے چاہا
 ہوا فسرہ مجلس کی خست سے وعظ
 تم اپنی سی کہنی تھی جو کہ چکے سب
 یہ ہے میر مجلس کہ چینی کی سورت

فقر کی جھولی میں ہوا بکلی سب کچھ
 بہت جانچ لیتے ہن دیتے ہن تب کچھ
 نہیں پوچھے یاں حساب و نسب کچھ
 جھین کچھ خبر ہو وہ کہتے ہن کب کچھ
 ہن سر کام آیا نہ علم و ادب کچھ
 وہ گراے گا یہ سپین کے جب کچھ
 نہیں ناصحو تم پہ الزام اب کچھ
 ٹوٹو تو بیچ اور جو دیکھو تو سب کچھ

کوئی لقب چرب تا کا ہر شاہ

یہ حالی کی غزلت نہیں بے سبب کچھ

بڑھاؤ نہ آپس میں ملت زیادہ مبادا کہ ہو جائے نفرت زیادہ

تکلف علامت ہے بیگانگی کی ✓ نہ ڈالو تکلف کی عادت زیادہ
 اگر درد و سنجو پہلے آپ اپنی عزت جو چاہو کرین لوگ عزت زیادہ
 نکالو نہ رخنے نسب میں کسی کے نہیں اس سے کوئی رذالت زیادہ
 کرو علم سے اکتساب شرافت نجابت سے ہر پیشرفت زیادہ
 فراغت سے دنیا میں دم بھرنے بیٹھو اگر چاہتے ہو منراغت زیادہ
 جہان رام ہوتا ہر ٹھٹھی زبان سے نہیں لگتی کچھ اسمین دولت زیادہ
 مصیبت کا ایک اک سے احوال کہنا مصیبت سے ہے مصیبت زیادہ
 کرو ذکر کم اپنی داود و ہش کا مبادا کہ ثابت ہو خست زیادہ
 پھر اوروں کی نکتے پھر وگے سخاوت بڑھاؤ نہ حد سے سخاوت زیادہ
 کہیں دوست تم سے نہو جائیں مطن جتاؤ نہ اپنی محبت زیادہ
 جو چاہو فقیری میں عزت سے رہنا نہ رکھو امیرون سے ملّت زیادہ
 وہ افلاس اپنا چھپاتے ہیں گویا جو دولت سے کرتے ہیں نفرت زیادہ
 نہیں چھپتے عباتی شریعت تیرے خدا دے تجھے خواجہ ثروت زیادہ
 ہے الفت بھی حشت بھی دنیا سلازم پہ الفت زیادہ نہ وحشت زیادہ
 فرشتہ سے بہتر ہے انسان بننا مگر اسمین پڑتی ہے محنت زیادہ
 بکے مفت یاں ہم زمانہ کے ہاتھوں پہ دیکھا تو کھتی یہ بھی قیمت زیادہ
 ہوئی عمر دنیا کے دھندوں میں آخر نہیں بس اب عقل مہلت زیادہ

غزل میں وہ رنگت نہیں خبری لی

الایہین نہ بس آپ دھڑپت زیادہ

حقیقت محرم اسرار سے پوچھ مزا انگور کا سے خوار سے پوچھ
 دنا اغیار کی اغیار سے مٹن مری الفت درود یوار سے پوچھ

ہماری آہ بے تاثیر کا حال
دلون میں ڈالنا ذوق اسیری
دل مجھ سے سُن لذت وصل
نہیں جز گریہ غم حاصل عشق
نہیں آبِ بقا جز جلوہ دوست
فریبِ وعدہ دیدار کی تدر
فغانِ شوق کو مانع نہیں وصل
تصور میں کیا کرتے ہیں جو ہم
وہ تصویر خیال یا رسے پوچھ

کچھ اپنے دل سے کچھ اغیار سے پوچھ
کنزِ گیسو سے خمدار سے پوچھ
نشاطِ عافیت ہمیں سے پوچھ
ہماری چشم دریا سے پوچھ
کسی لبِ تشنہ دیدار سے پوچھ
شہیدِ خنجرِ انکا رسے پوچھ
یہ نکتہ غمِ لبِ ارسے پوچھ
وہ تصویر خیال یا رسے پوچھ

متاعِ بے بہا ہے شرِ حالی
مری قیمت مری گفتار سے پوچھ

می

ہے انکی دوستی پر ہم کو توبہ لگاتی
ہجرم کوئی آخر کب تک سُنے ملاست
عاشق کے دلوں میں کھیرا گِیرا
امید وصل سے ہر کچھ جی چھڑا دیتا
ہر حکم پر ہونِ راضی ہر حال میں بہنجش
صبر و سکون سے ہکو یہ بھی بیٹھنے سے
پھر یہ بنائے ہستی ہر تیرے بعدِ یاران
دیکھا حالِ جانان آنکھوں نے اور نہ دل نے

وہ ہم کو دوست بھجین یا انکی مہربانی
ناصر سے ہکو اپنی کسنی بڑی کمانی
دینا نہیں وہ لذتِ پیاسے کو سزا پانی
جو کچھ سنا ہے ہننے مشاطہ کی زبانِ بانی
کچھ ہے اگر توبہ ہو دنیا میں شادمانی
ظہورِ سی ہی گئی ہوائے کاشِ نہانی
ہر توبہ بھی اب غنیمت ہے ضعفِ مہناتوانی
کیا جانے کس اوسے کی اُس نے دستانی

اک نکتہ کے بیان سے سر بر ہنودِ حالی
چلتا نہیں کسی کا یاں لات نکتہ دانی

کس کوئی ساقی سے کہ ہم ترے ہیں پیاسے
جو کچھ ہے سو ہے اُسکے تغافل کی شکایت
دلا لہ نے امید دلائی تو ہے لیکن
ہے وصل تو تقدیر کے ہاتھ اسے شہرِ خوابان
پیاسے ترے سرکش تیرے چہرے راہ طلبین
درگزرے دواسے تو بھروسے پہ دعا کے
اک در دہو بس آٹھ پہر دل میں کہ جس کو
حالی دلِ انسان میں ہو گم دولتِ نین

جب وقت پڑے دیکھے دستِ دل پر
جھکے فقر سے نہ جھکے آفراسے

کبک و قمری میں ہو جھگڑا کہ چمن کس کا ہو
فیصلہ گردشِ دوران نے کیا ہو سو پار
دم سے یوسف کے جب آباد تھا یثوق کا گھر
مطہن اس سے مسلمان نہ سچی نہ یہود
واعظ اک عیب سے تو پاک ہر با ذات خدا
آج کچھ اور دنوں سے ہے سوا استغراق
آنکھ پڑتی ہے ہر اک اہل نظر کی تم پر
عشق اُدھ عقل اُدھر دھن میں چلے ہیں تیری
شان دیکھی نہیں اگر تو نے چمن میں اسکی

ہن نصاحت میں مثلِ واعظ و حالی دونو
دیکھنا یہ ہو کہ بے لاگ سخن کس کا ہو

ہوا کچھ اور بھی عالم میں چلتی جاتی ہے ہنر کی عیب کی صورت بدلتی جاتی ہے
عجب نہیں کہ رہے نیک میں کچھ نہ تیسرے کہ جو بدی ہو وہ سانچے میں طہتی جاتی ہے
سپاہ ویر سپہ باغ بہن لیکن ہمیر روتی ہے اور ہاتھ ملتی جاتی ہے
کہا جو میں نے وفا کرتے آئے ہیں احباب کہا زمانہ کی عادت بدلتی جاتی ہے
قلق اُنھیں نہیں گرد و ستون سے چھٹنے کا طبیعت اپنی بھی کچھ کچھ بھلتی جاتی ہے
بہت سے کھو دیے خلیجان مینوائی نے ضرورت ایک کے بعد ایک ملتی جاتی ہے
ہوے ہیں بار امانت سے تیرے سب عاجز زمین بھی اپنے خزانے اگلتی جاتی ہے
اڑے گی خاک تقدس کی اب سر بازار فقیہ و شیخ میں جو تھی اچھلتی جاتی ہے

نہ خون مرنے سے جتنا اب ہو کچھ حالی

کچھ اک جھپک تھی سودہ بھی بھلتی جاتی ہے

۲۔ جُری اور بھلی سب گزر جائے گی یہ کشتی یونہی پار اُتر جائے گی
ملے گا نہ گلچین کو گل کا پتہ ہر اک نکھر پڑی یوں بکھر جائے گی
رہیں گے نہ ملاح یہ دن سدا کوئی دن میں گنگا اُتر جائے گی
ادھر ایک ہم اور زمانہ اُدھر یہ بازی تو سو بوسے ہر جائے گی
بناوٹ کی شینی نہیں رہتی شیخ! یہ عزت تو جائے گی پر جائے گی
نہ پوری ہوئی ہیں امیدیں ہوں یہ نہیں عمر ساری گزر جائے گی

سین گے نہ حالی کی کب تک صدا

۳۔ یہی ایک دن کام کر جائے گی

سلف کی دیکھ رکھو راستی اور راست اخلاقی کہ اُن کے دیکھنے والے ابھی کچھ لوگ ہیں باقی
نہیں خالی ضرر سے وحشیوں کی لوٹ بھین کہ حذر اس لوٹ سے جو لوٹ ہو علمی اخلاقی
نہ گل چھوڑے نہ برگہ بار چھوڑے تو نہ گلشن میں یہ گلچینی ہو یا لٹس ہو گلچین یا ہو فزانی

اکمال کفش و وزی علم اتلاطون سے بہتر ہو
 یہ وہ نکتہ ہے سمجھ جسکو مشائی نہ انشراقی
 رہی دانائی آخر غالب اگر پہلوانی پر
 گئے چین مان سب چینی و فرغانی و قباچی
 ہمارے ظرت ہی انعام کے قابل نہیں نہ
 لٹھا غم بہ غم غم غم نہ کیوں مسکتے گرساچی
 مداح کوشش بہر کسب ہو چکے حالی
 لطیفہ رہ گیا ہو دیکھنا اک غیب کا باقی

اہل معنی کو ہے لازم سخن آرائی بھی
 بزم میں اہل نظر بھی ہیں تماشائی بھی
 اپنے اور غیر کے حق کی نہیں کچھ رکھتے تیز
 اس میں شہری بھی ہیں کہہ ہی ہیں صحرائی بھی
 آنکھ سب ایک کھلی رکھتے ہیں اور ایک بندی
 اس میں سلم بھی ہیں ہندو بھی ہیں عیسائی بھی
 جو چھپاتے ہیں حق اندیشہ رسوائی سے
 گھات میں انکے لگی بیٹھی ہے رسوائی بھی
 دوست گر بھائی ہو دوست ہے تو بھی لیکن
 بھائی گرد دست نہیں تو نہیں کچھ بھائی بھی
 اے غم دوست تجھی پر نہیں اپنی گزراں
 کچھ فتوح اسکے سوا اور ہے بالائی بھی
 دل غمی رکھتے ہیں اے دولت دنیا جو لوگ
 تیور ان کے کبھی تو دیکھ کے شرابی بھی
 عقل ہو اپنی حماقت کے چھپانکی ٹھین
 جن میں کچھ ساتھ حماقت کے ہو خود رائی بھی
 عقل اور حسن پہ جن کے بھری مجلس ہو گوا
 اُن کو خود رائی بھی بھیتی ہے خود آرائی بھی
 لئے دیکھی نہ اجل تم سے ہمیں جی بھر کر
 فرصتے دوستو دنیا سے اگر پائی بھی

جی گئے ہم یہ رہو مردوں سے بدتر حالی

دیکھ لی ہم نے طبعیوں کی میسائی بھی

رہا کھل کے زاہد کا دہر ریائی
 بنائی بہت بات پر بن نہ آئی
 بُرائی ہو زندون میں بھی شیخ ابلیس
 کہاں یہ بُرائی کہاں وہ بُرائی
 گناہوں کے بچنے کی صوت نہیں جب
 عبادت میں کیوں جان تلکھ پائی

۱۷ یعنی عسیر دنیا و غم زن و فرزند وغیرہ ۱۸ اپنے دایم المرض ہونے کی طرح اشارہ ہو ۱۹

رکا ہاتھ جب رہن گئے پار ساقم نہیں پار ساقی یہ ہے نار ساقی
 بڑا آپ کو وہ سمجھتا ہو ہم سے ✓ سوا اسکے شمع میں ہو کیا بڑائی
 جو کیسے تو جھوٹی جو سُننے تو سچی خوشامد بھی ہم نے عجب چیز پائی
 ہوئی آ کے پیری میں قدر جوانی سمجھ ہم کو آئی پہ نا وقت آئی
 وہی جو کہ کرتا ہے رانی کو پرست وہ پرست کو بھی کر دکھاتا ہو رانی
 جوانی میں عاشق تھو اب ہم ہرین ناصح جو نل پہلی تھی تیرا منہ کی کھائی

قیاس آپ پر ب کو کرتے ہو حالی

نہیں اب بھی اچھوٹ سے خالی خدائی

وصل کا اب بھی دل زار تمنائی سے نہ ملاقات ہے جس سے نہ شناسائی ہو
 قطع امید نے دل کر دیے کیسو سد شکر شکل مدت میں یہ امید نے دکھلائی ہو
 قوت دست خدائی ہے شکیمائی میں وقت جب آ کے پڑا ہے یہی کام آئی ہو
 ڈر نہیں غیر کا۔ جو کچھ ہے سوا بنا ڈر ہے بنے جب کھائی ہو اپنے ہی سے نک کھائی ہو
 نشہ میں چور نہون بھانجہ میں مخمور نہون پند یہ پیر خرابات نے من رانی ہو
 نظر آتی نہیں اب دل میں متنا کوئی بعد مدت کے متنا مری بر آئی ہو

بات سچی کہی۔ اور انگلیاں اٹھیں کی

سچ میں حالی کوئی رولائی اسی رولائی ہو

اتنی ہی دشوار اپنے عیب کی پہچان ہے جس مدت در کرنی ملامت اور کو آسان ہو
 سامنا ہر موت کا ہونا محبت سے دوچار آئے اس میدان میں نہا اگر کچھ جان ہو
 دیکھ لے بلبل ذرا گلبن کو آنکھیں کھول کر چھو لین گراں ہو کانٹے میں بھی اک شان ہو
 عقل بھیلی پر نہ سٹی حرص آزاد انسان کی لے نہ اب نام آدمیت کا اگر نہ سان ہو
 چیدہ نطرون میں اتحاد اور کھیدوں میں انفاق آدمی کا آدمی دشمن خدائی نشان ہو

تجھ میں جوت اے جمع ہو کس بنی عالم سوز کی جان و دل سے تجھ پر اند جو یون قربان ہے

دل میں حالی کے رہے باقی بے زبان کچھ

جی میں ہو کچھ اب اگر باقی تو یہ ارمان ہو

تم میں وہ سوزِ تم میں ہو وہ ایسا باقی رہ گیا کیا ہو اب اسے گرو مسلمان باقی

بزم دعوت میں رسائی ہوئی اپنی اسوقت نیز بان جب نہ کوئی نہ ہسان باقی

حق ادا ایک نگہ لطف کا ہو گا کیونکر دل و دین لے چکے اور ہو اچھی حال باقی

ظاہر اور دہی اُلفت کا نہیں چارہ پذیر در نہ پھوڑا نہیں ہم نے کوئی دربان باقی

توشہ موجود ہو حالی نہ سواری نہ رفیق

ابھی کرنے میں بہت کوچ کے سامان باقی

جب یہ کہتا ہوں کہ بس دنیا پاپ تفت کیجئے نفس کہتا ہے ابھی چندے توفت کیجئے

وان رسائی ہو صبا کی اور نہ قاصد کو ہر بار اُس سے آخر کس طرح پیدا قات کیجئے

ضبط کیجے درد دل تو ضبط کی طاقت نہیں اور کھلا جاتا ہے لازم دل اگر اُت کیجئے

دوست کی تو رہیں ہم ہر رنگ میں پہچانتے بے تکلف لیے ہم سے یا تکلف کیجئے

جبکہ عقبے لگنی دنیا ہے پھر سہل الوصول شیخ لگنے ہاتھ اس پر بھی نصرت کیجئے

دقت خراج کام کا سما لی گنوا بیٹھے اُسے جائے اب عمر بھر بیٹھے تاسف کیجئے

تو یہ حضرت کی یونہی ایک دو کھٹکسا بال

ہم دکھا دینے زاد دم بھر توفت کیجئے

نکار واد کی گلے ڈر گئی حادث کیسی جان کو ہم نے لگالی ہے یہ علت کیسی

جب خزان ہو گئی آخر تو رہا ہم خزان جن کی قیمت میں ہو کلفت نہیں اجت کیسی

جی کا اُلفت کو سمجھتے تھے ہم اک ہلادا وہ تو آفت تھی ہمارے لیے اُلفت کیسی

جیتے جی رکھ نہ فراغت کی توقع نادان قید ہستی میں مری جان فراغت کیسی

عجب جوئی سے نہیں خلق کی دم بھر فارغ
جو حقیقت سے ہیں آگاہ تری امر دنیا
جانتا ہے وہی۔ دل پر ہے گذرتی جگہ
ہم نے اول سے پڑھی ہو یہ کتاب آخر تک
جبکہ رہتا نہیں قابو میں دل اپنے ناصح
وحی بھی کام نہیں کرتی۔ نصیحت کیسی

نظر آتا تھا یہ پہلے ہی سے حالی انجام

یار کی مین بھی کہوں ہو یہ عنایت کیسی

سعی سے بہتر تن آسانی مری
تھانہ محتاج سبب عفو کریم
خلد میں بھی گر ہی یاد اسکی لطف
سے لباس جہنم تک مجھ پر گران
مانع گلگشت ہے بیم خزان
قدر نعمت ہے بخت راہنظار
کفر سے بدتر مسلمان مری
کچھ نہ کام آئی پشیمانی مری
کم نہوشاید پریشانی مری
دور جا پوچھی ہو عزائی مری
موت کرتی ہے نگہبانی مری
حشر پر پھری ہے جہانی مری

خندہ زن ہے اس مسلمان پر کفر

جیسی ہو حالی مسلمان مری

پردے بہت سے وصل میں بھی درمیان ہے
کیا کیا میں دل میں دیکھے ارمان بھری ہوئے
حیران میں ہاتھ سے نہ دیار شدہ امید
پوچھی گئی نہ بات کہیں پاس وضع کی
ویر و حرم کو تیرے فسادوں سے بھردیا
داراؤ جم کو تیرے گداؤں پر رشک ہو
شکوے وہ سب سنا کیے اور مہربان ہے
ہم میزبان نہیں جو کوئی میہبان ہے
اب تک تو ہم جہان میں بہشت و مان ہے
اتنے ہی ہم سبک ہوئے جتنے گران ہے
اپنے رقیب آپ رہے ہم جہان ہے
نزع متاع عشق اتنی گران ہے

حالی سے مل کے ہو گئے تم افسردہ لہت

لگے سے دلوے وہ اب اس میں کہاں ہے

کل مدعی کو آپ پہ کیا کیا گمان رہے
پاران تین زگام نے محل کو جالیا
بات اس کی کاٹتے رہے اور تیر بان رہے
ہم غزالہ جبرس کا روحان رہے
یا آپ بھی ملازم پیر معبان رہے
ڈوبے ہم آپ خضرین اور نیجان رہے
تم مدعی کے گھر گئے اور میمان رہے
کشتی کسی کی پار ہو یا در میان رہے

حالی کے بعد کوئی نہ ہمدرد پھر ملا

کچھ راز تھے کہ دل میں ہائے نہان تھے

حق و فنا کے جو ہم جتانے لگے
حقا ہیان دل میں طعن وصل عدو
آپ کہہ کے سکرانے لگے
عذر ان کی زبان پر آنے لگے
وہ اگر تہمت آزاد مانے لگے
اب وہ باتیں بہت بٹانے لگے
غیر الفت بہت جتانے لگے
ہم اگر درد دل سنانے لگے
ہم بھی آخر کو جی چرانے لگے
قافلے پھر حرم کو جانے لگے
اہل ظاہر بہت ستانے لگے

وقت رخصت تھا سخت حالی پر

ہم بھی بیٹھے تھے جب وہ جانے لگے

ق

حشر تکبان دل شکبا چاہیے کب ملین دلبر سے دیکھا چاہیے
 ہے تجلی بھی نقابِ روئے یار اُس کو کن آنکھوں سے دیکھا چاہیے
 غیر ممکن ہے نہوتا شیرِ عزم حال دل پھر اُس کو لکھا چاہیے
 ہے دل افکارِ دن کی دلداری ضرور گزینینِ الفت مدارا چاہیے
 ہے کچھ اک باقی غلشِ امید کی یہ بھی مٹ جائے تو پھر کیا چاہیے
 دوستوں کی بھی نہو پروا جسے بے نیازی اس کی دیکھا چاہیے
 بھاکے ہین آپ کے اندازِ ناز کیجئے اغماضِ جتنا چاہیے
 شیخ ہے ان کی نگہ جا دو بھری صحبتِ رندان سے بچنا چاہیے

لگ گئی چپِ حالی رنجور کو
 حال اُس کا کس سے پوچھا چاہیے

جنون کا رنما ہوا چاہتا ہے قدمِ دشتِ پیمہ ہوا چاہتا ہے
 دمِ گریہ کس کا تصور ہے دلمین کہ اشکِ اشک دریا ہوا چاہتا ہے
 خط آنے لگے شکوہ آمیزانکے ملاپ اُن سے گویا ہوا چاہتا ہے
 بہت کام لیتے تھے جس دل سے ہکو وہ صرف تنہا ہوا چاہتا ہے
 ابھی لینے پائے نہیں دمِ جانِ بین اجل کا تقاضا ہوا چاہتا ہے
 مجھے کل کے وعدے یہ کرتے ہینِ خست کوئی وعدہ پورا ہوا چاہتا ہے
 فردن تر ہر کچھ ان لونِ فدقِ عصیان در رحمتِ اب دا ہوا چاہتا ہے
 قلقِ گریہی ہے تو رازِ نہ سانی کوئی دنِ مین رسوا ہوا چاہتا ہے
 دفا شرطِ الفت ہے لیکن کمانکے دل ایسا بھی تجھ سا ہوا چاہتا ہے
 بہت خط اٹھاتا ہے دل تجھ سے بلکہ قلق دیکھے کیا ہوا چاہتا ہے
 غمِ رشک کو تلخ سمجھے تھے ہمدم سودہ بھی گوارا ہوا چاہتا ہے

بہت چہنچہن دن گذرتے ہیں حالی
کوئی فتنہ برپا ہوا چاہتا ہے

ق

جس کو غصے میں لگا وٹ کی ادا یاد رہے
شوق بڑھتا گیا جون جون کے اُس شوخ سہم
ہم بھی آداب شریعت سے تھے آگاہ مگر
یاد آؤ گے بہت۔ لطف سمجھ کر کیجیے
شیخ یاں شرم گنہ شوق بھلا دیتا ہے
واوہی عشق میں موسیٰ کو ہو گزشت دید
خضر نے پاؤں اگر دشت فنا میں رکھا
دل بڑی طرح لگا عشق بتان میں اوشیخ
چارہ گرا کار باندا زہ تدبیر نہیں

ابھی جانا نہیں حالی نے کیا چیز ہین
حضرت اس لطف کا پلنگے مزا یاد رہے

ملنے کی جو نہ کرنی تھی تدبیر کر چکے
افسوس شبِصال کے وان کار گزینین
اے دل اب آزمائشِ تقدیر کا ہر وقت
کتے ہیں طبع دوست شکایت پسند ہے
بھولے رہے تصورِ ترکان میں چند روز
جان لب تک انتظار میں آتی ہر بار بار
دل لے کے ایک میرا یہ فارغ ہووین وہ
حالی اب آؤ پیرویِ مصربی کرین
آہنہ کو ہم حوالہ الفت دیر کر چکے
نارے شبِ سراق کے تاثیر کر چکے
وہ امتحانِ برشِ شمشیر کر چکے
ہم شکوہ ہائے غیر بھی محسوس کر چکے
دیکھا تو دل کو ہم ہنر تیر کر چکے
مشاطہ جلد تر کہیں نقتیر کر چکے
گویا کہ اک جہان کو تنخیر کر چکے
بس اقتدائے مصحفی دیر کر چکے

نہ دان پر سش نہ یان تاب سخن ہو
 بہت لگتا ہو دل صحبت میں اسکی
 بناوٹ سے نہیں خالی کوئی بات
 عدو سے بات محفل میں نہ کرنی
 بہت دل بہن ترے عاشق کو رکھ کر
 دلاتی ہے صبا کس کو چمن یاد
 کر دن تجھ سے بیان کچھ دروغیت
 رہے لاہور میں آکر سو جانے
 نہیں آتی کہیں یان بونے یوسف
 یہاں بیگانگی ہے اس قدر عام
 نہ کچھ بخون کو ہے پروا لے لیلی
 مجھے تہانہ سمجھیں اہل لاہور
 مری خلوت میں ہے ہنگامہ نرم
 بتاؤں تم کو ہون کس باغ کا پھول
 بتاؤں تم کو ہون کس مصر کی بوہ
 عدم کی راہ کٹ جاتی کبھی کی
 نہ لینے دے گا جنت میں بھی آرام
 محبت ہے کہ دل میں موج زن ہو
 وہ اپنی ذات سے اک انجن ہو
 مگر ہر بات میں اک سادہ پن ہو
 جو سچ پوچھو تو جائے سوا ظن ہو
 نری جو بات ہے وہ دشمن ہو
 نہ میں بلبل نہ گھر میرا چمن ہو
 مگر جو شش سخن میں ہو
 یہی دنیا ہے جو دار الحن ہو
 مگر جو گھر ہے وہ بیت الحزن ہو
 کہ بلبل ناشناسائے چمن ہو
 نہ کچھ شیریں کو در د کو کہن ہو
 تصور میں مرے اک انجن ہو
 خموشی میں مری ذوق سخن ہو
 جہان ہر گل بجائے خود چمن ہو
 جہان غریت وطن پرخت زن ہو
 مگر یاد عزیزیان را ہرن ہو
 یہی مگر جذبہ ہر وطن ہو

یہ غزل تقریباً ۱۸۵۷ء میں اس وقت لکھی تھی جبکہ اول ہی اول بہت قریب ملازمت ملی چھوڑ کر لاہور جانا پڑا تھا اس وقت
 اول تودلی سے مجاہد ہوا ہی سخت شاق گذرا تھا۔ دوسرے لاہور میں کسی سے جان بچان نہ تھی۔ وہاں پہنچتے ہی نہایت
 سخت آبائی۔ اور وہاں کے ہیضہ کے بعد مدت تک چھپک اور بخار کا دور و شور رہا۔ آخر کار راقم بھی سخت بیمار ہو گیا۔ اس تہائی
 اور مریگی و غم اندہ کی حالت میں یہ اشعار لکھے گئے تھے ۱۱

اگر بین نظروں سے سب باتیں پُرانی
بھلا حالی اور الفت سے ہو خالی !
یہ سب تم صاحبون کا حسنِ ظن ہے
کیا ہے اُس نے کہتے ہیں سخن ترک

مگر ہم کو ابھی اس میں سخن ہے

مُوہوم تھی اپنی پارسائی کی	کی بھی اور کس سے آشنائی کی
کیون بڑھاتے ہو احتیاط بہت	ہم کو طاقت نہیں جُدائی کی
مُٹھ کمان تک چھپاؤ گے ہم سے	تم کو عادت ہے خود دُمنائی کی
لاگ میں ہن لگاؤ کی باتیں	صلح میں چھپڑ ہے لڑائی کی
ملنے غیروں سے ہو ملو۔ لیکن	ہم سے باتیں کرو صفائی کی
دل رہا پاسے بند الفت دام	تھی عبث آرزو رہائی کی
دل بھی پہلو میں ہو تو یان کس سے	رکھے امید دل رُ بانی کی
شہر و دریا سے باغ و صحرا سے	بو نہیں آتی آشنائی کی
نہ بلا کوئی غارت ایمان	✓ رہ گئی شرم پارسائی کی
سخت ہمد استانی سے شیدا	تو نے آخر کو نار سائی کی
صحبت نگاہ گاہی رہی	تو نے بھی ہم سے بیوفائی کی
موت کی طرح جس سے ڈرتے تھے	ساعت آ پہنچی اس جدائی کی

زندہ پھرنے کی ہو ہوس حالی

انتہا ہے یہ بے حیائی کی

۱۔ یہ غزل بھی لاہور میں لکھی گئی تھی جبکہ غزلِ سابق لکھی گئی تھی آخر کے شعراء میں اس کے طبع و شاعرانہ بھی کیا گیا ہو ۱۲

۲۔ شیل سے مراد شعی عہدِ مکرّم اصفہان صاحبِ ہوی ہیں کہ اُس نے ان میں کبھی کبھی فکر کر کے تھے اور شاید انھیں کرتے تھے ۱۳

۳۔ رشتی آریہل نواب محمد علی خان بہادر رئیس جہانگیر آباد کا تخلص ہو ۱۴

ق
 کر دیا خوگر جہنا تو نے ✓ خوب ڈالی تھی ابتدا تو نے
 دُور پہونچی تھی اپنی آزادی ✓ پر خدا جانے کیا کیا تو نے
 کیوں نہ آئیں گے یا نہ ام ہرم ✓ بس سنا میں نے اور کہا تو نے
 گوشہ لیا تھلائے تھے ہم آج ✓ نہ کہا اور نہ کچھ سنا تو نے
 صبر کا ہے بہت بُرا انجام ✓ ہم کو سمجھا ہر دل میں کیا تو نے
 ابتداءے وفا ہے سر دینا ✓ میری دیکھی نہ انتہا تو نے
 دل سے قاصد بنا کے دُعا وصل اور کھویا رہا سہا تو نے
 ایک عالم کو خوش کیا اے رشک ہم کو کس سے خفا کیا تو نے

بہر
 جی میں کیا ہے جو بخشوایا آج
 حالی اپنا کہا سنا تو نے

ق
 کہے بیمار دمی دوا تو نے جان سے پہلے دل لیا تو نے
 رہبر و تشنہ لب یہ گھبرا نا اب لیا چشمہ بہت تو نے
 شمع جب دل ہی دیر میں لگا آگے مسجد سے کیا لیا تو نے
 دور ہواے دل مال اندیش کھو دیا عمر کا مزا تو نے
 ایک بیگانہ وار کر کے نگاہ کیا کیا چشم آشنا تو نے
 دل و دین کھو کے آئے تھے سو دیر یان بھی سب کچھ دیا خدا تو نے

خوش ہے اسیدِ خلد پر حالی

کوئی پوچھے کہ کیا کیا تو نے

ق
 دل کو درد آشنا کیا تو نے درد دل کو دوا کیا تو نے
 طبع انسان کو دی سرشتِ وفا خاک کو کیسا کیا تو نے
 وصل جانان محال ٹھہرایا قتل عاشقِ روا کیا تو نے

تھنا نہ خبر غم بساط عاشق مین
 جان تھی اک وبالِ فرقت مین
 بھتی محبت مین تنگ منتِ غیر
 را ذرا ہر کو جب کسین نہ ملی
 عینم کو راحت فر کیا تو نے
 شوق کو جان گزا گیا تو نے
 جذبِ دل کو رسا کیا تو نے
 قطعہ درمیانہ وا کیا تو نے
 قطع ہوئے ہی جب لگا پیوند
 تھی جہان کا روان کو دینی را
 عیش کو رہنا کیا تو نے
 عفتل کو نا خدا کیا تو نے
 اس کو اس سے جدا کیا تو نے
 بادِ شہ کو گدا کیا تو نے
 درد کو بے دوا کیا تو نے
 سعی کو نارسا کیا تو نے
 پر دہ چشم تھے حجابِ بہت
 عشق کو تابِ انتظار نہ تھی
 حرم آباد اور دیرِ خراب
 سختِ نرسہ طبع تھے احباب
 پھر جو دکھا تو کچھ نہ بھتا یارب
 کون پوچھے کہ کیا کیا تو نے

حالی اٹھا ہلا کے محفل کو
 آہستہ اپنا کیا تو نے

۱۰ اس شعر میں پیر و پسر کا اشارہ حضرت یعقوب و یوسف علیہم السلام کی طرف اور اگلے شعر میں بادشاہ سے

مراد ابراہیم ابن ادہم رحمہ اللہ ہیں ۱۲

رباعیات

توحید

کانٹا ہو ہر اک جگر میں اٹکا تیرا حلقہ ہے ہر اک گوش میں اٹکا تیرا
مانا نہیں جس نے تجھ کو جانا ہو ضرور بھٹکے ہوئے دل میں بھی ہو کھٹکا تیرا

ایضاً

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا آتش پہ معانے راگ گایا تیرا
دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

ایضاً

طوفان میں ہو جب جہاز چکر کھاتا جب قافلہ دادی میں ہو سرگردانا
اسباب کا آسرا ہو جب اٹھ جاتا دان تیرے سوا کوئی نہیں یاد آتا

ایضاً

جب لیتے ہیں گھیر تیری قدر کے ظہور منکر بھی پیکار اٹھتے ہیں تجھ کو مجبور
خفاش کو ظلمت کی سو بھی کوئی راہ خورشید کا شش بہت میں پھیلا جب فہر

توحید

جب یایوسی دلون پہ چھا جاتی ہے دشمن سے بھی نام تیرا چھو اتی ہے
مکن ہو کہ سکھ میں بھول جائیں اطفال لیکن انھیں کھ میں مان ہی آتی ہے

ایضاً

مٹی سے ہوا سے آتش و آب سے یان کیا کیا نہ ہوے بشر پہ اسرار عیان
ہر تیرے خزانے میں ازل سے اب تک گنجینہ غیب میں اسی طرح ہسان

ایضاً

ہستی سے ہے تیری رنگ و سب کے لیے طاعت میں ہو تیری آبرو سب کے لیے
ہین تیرے سوا سارے سہارے کمزور سب اپنے لیے ہین اور تو سب کے لیے

ایضاً

کیا ہوگی دلیل تجھ پہ اور اس سے زیادہ دنیا میں نہیں ہے ایک دل جو کہ ہوشاد
پر جو کہ ہین تجھ سے لو لگائے بیٹھے رہتے ہین ہر ایک رنج و غم سے آزاد

نعت

زہاد کو تو نے عجز و تکبر کیا عفت کو مست لذت دید کیا
طاعت میں ہاں حق کی سا بھی کوئی توحید کو تو نے آکے توحید کیا

ایضاً

بطحائے عرب کو معترم تو نے کیا اور ایتون کو خیر ام تو نے کیا
اسلام نے ایک گرد یا روم و شمار بچھڑے ہوئے گم کو ہم تو نے کیا

ایضاً

بطحا کو ہوا تیری ولادت سے شرف شرب کو ملا تیری افا سے شرف

۱۰ یعنی کچھ اب تک ظاہر ہوا ہے وہ مقابلہ سے جو خدا غیب میں مخفی ہو کان لم یح ۱۱

اولاد ہی کو خسر نہیں کچھ بچہ بر آبا کو بھی ہے تیری ابوت سے شرف

ہندو سے لڑیں گبر سے بر کرین | شر سے بچیں اور شر کے عوض خیر کرین
جو کہتے ہیں یہ کہ ہے جہنم دنیا | وہ آئین اور اس ہشت کی سیر کرین
ترک شعر عاشقانہ

بلبل کی چمن میں ہمزبانی چھوڑی | بزم شعرا میں شعر خوانی چھوڑی
جب کہ دل زندہ تو نے ہکو چھوڑا | ہم نے بھی تیری رام کہانی چھوڑی

پیران زندہ دل | خوش رہتے ہیں کھمیں کا مرنوں کی طرح
دل اُنکے ہیں ظن اُنکے جو کرتے ہیں تیر | ہنس بول کے پیری کو جو ظن کی طرح
نیکی اور بدی پاس پاس ہیں

جو لوگ ہیں نیکوں میں مشہوریت | ہوں نیکوں پر اپنی نہ مغروریت
نیکی ہی خود اک ہی ہو گروہ خلوص | نیکی کے بری نہیں ہو کچھ دوریت
امتحان کا وقت

ناہد کہتا تھا جان ہو دین پر قربان | پر آیا جب امتحان کی زد پر ایمان
کی عرض کسی نے کہیے اب کیا ہو صلاح | فرمایا کہ بھائی جان جگہ ہے تو جہان

ہے عشق طبیب دل کے بیماروں کا | یا گھر ہے وہ خود ہزار آزاروں کا
ہم کچھ نہیں جانتے پہ اتنی ہو خبر راک | اک مشغلہ دیکھ سپے بیکاروں کا
نیکیوں کی جانچ

نیکیوں کو نہ ٹھہراؤ بد اسے فرزند | اک آدھا دادا اُن کی اگر ہو نہ پسند

کچھ نقص انار کی لطافت میں نہیں ہوں اس میں اگر گئے سڑے دلے چند
دوستوں سے جیسا توقع

مازلیست وہ جو نقش موہوم رہے جو طالب دوستان معصوم رہے
اصحاب سے بات بات پر جو بگڑے صحبت کی وہ برکتوں کے محروم رہے

شراب اور جوانی

ہو بادہ کشی پر نہ جوانو مفتون گردن پہ نہ لو عقل خداداد کا خون
خود عمر شباب اک جنون ہوا بتم کرتے ہو فزون جنوں پگلا اور جنوں
غور و سب علیہوں سے بدتر ہے

ممکن نہیں یہ کہ ہو بشر عیب سے دو پر عیب سے بچے تا بہت دور ضرور
عیب اپنے گھٹاؤ پر خبردار رہو گھٹنے سے کہیں اُن کے نہ بڑھ جائے غرور

گفتار و کردار میں اختلاف

جو کرتے ہیں کچھ زبان سے کہتے ہیں وہ کم ہوتے نہیں ساتھ جمع دم اور قدم
بڑھتا گیا جس قدر کہ حسن گفتار بس اتنے ہی گھٹتے گئے کردار میں ہم

شرط قبول

ممکن ہے کہ جو ہر کی نہ ہو قدر کہیں پر قدر کہیں بغیر جو ہر کے نہیں
عین کو نہ لین مفت یہ امکان ہو مگر غنہ کی جگہ نہ لے گا کوئی سرگین

طالب کو سوچ سمجھ کر پسیرنا چاہیے

ہوں یا نہ ہوں پر اہل عرفان یقین پر ڈر ہے کہ طالب نہوں نادان کہیں
گاہک کو ہوا احتیاج چار آنکھوں کی اور ایک کی بھی نیچنے والے کو نہیں

عالم و جاہل میں کیا فرق ہے

ہیں جاہل میں سب عالم و جاہل مہر آتا نہیں فرق اسکے سوا نہیں نظر

عالم کو ہے علم اپنی نادانی کا جاہل کو نہیں جہل کی کچھ اپنے خبر
موجودہ ترقی کا انجام

پوچھا جو کل انجام ترقی بشر یاروں سے کہا پر مغان مے ہنسر
باقی نہ رہیگا کوئی انسان میں سب ہو جائیگے چھل چھلکے سب عجب ہنر
سرف کو کیونکر فراغت حاصل ہو سکتی ہے
اک منعم مسرت نے علیحدہ کیا کر میرے لیے حق سے فراغت کی دعا
عابد نے کہا یہ ہاتھ اٹھا کر سونے خرچ محتاج کر اس کو جلد اسے بار خدا

کام کی جلدی

بان رہنے کی مہلت کوئی کیا پاس آتا ہو اگر آج توکل جاتا ہے
جو کرنے میں کام اُن کو جلدی ٹھکتاؤ طلبی کا پیام دہ چلا آتا ہے

غرض

ہے نفس میں انسان کے جلی مریں ہر سہی پہ ہوتا ہے طلبگار عرض
جو خاص خدا کے لیے تھے کام دیکھا تو نہان اُنہیں بھی تھی کوئی غرض

القلاب روزگار

بس بس کے ہزاروں گھر اُڑ جاتے ہیں گرا گڑ کے علم لاکھوں اُکھڑ جاتے ہیں
آج اس کی ہر نوبت توکل اسکی باری بن بن کے یونہیں کھیل اُکھڑ جاتے ہیں

تقاضا ہے سن

حالی کو جو کل منہ خرہ خاطر پایا پوچھا باعث تو نہیں کے پندرایا
لکھو نہ اب اگلی صحتوں کی اُسید وہ وقت گئے لب اور موسم آیا
جسکو نہ گانی کا چہرہ نہ نہیں وہ کوئی بڑا کام نہیں کر سکتا
دنیا دنی کو نقش منانی سمجھو | روداد جہان کو اک کساننی سمجھو

پر جب کرو آغاز کوئی کام بڑا ۱ ہر سانس کو سہرا وانی سمجھو
آئینہ زوال

آبا کو زمین و ملک پر اطمینان اولاد کو مستی پہ قناعت کا لگان
بچے آوارہ اور بے کار جوان ہیں ایسے گھرنے کوئی دن کے ہمان
شان اوبار

صحرائیں چرا یا ایک چلید میدان برسات میں سبزہ کا نہ تھا چٹان
مابوس تھے جسکے جوتے سو بھقان یاد آئی ہیں قوم کے ارباب کی شان
نفاق کی علامت

ہر نرم میں آنسو کی لالین ہونا شیریں سخن سے شہ فانی ہونا
مکمل نہیں جب تک کہ نور و لیل نفاق آس اور نہیں مقصد بول و خلائق ہونا
مسلمانوں کی بھمیری

جب تک کہ نہ دشمن انخوان پکا ہوتا نہیں مومن کا اب ایمان پکا
ہم قوم کی خیر مانگتے ہیں حق سے سنتے ہیں کسی کو جب مسلمان پکا
مکرو ریا

حالی رہ راست جو کہ چلتے ہیں سدا خطرہ اُنھیں گر گناہ ڈر شیروں کا
لیکن ان بھیڑیوں کا جب ہو خدہ بھیڑوں کے لباس میں ہیں چم جلوہ نا
جو ہر قابلیت

ہیں بے ہنروں میں قابلیت کے نشان پوشیدہ ہیں دشتوں میں اکثر نشان
عاری ہیں لباس تربیت سے وہ ہیں طوسی نمازی اُنھیں کلمن ہیں نشان

اے علم کیا ہے تو نے مکوں کو نہال غائب ہوا تو جہان سے وہاں آیا زوال

اُن پر ہوئے غیب کے خزانے مفتوح جن قوموں نے ٹھہرایا تجھ کو اس المال

اے علم کلیہ گنج شادی تو ہے سرچشمہ انصاف و ایا دی تو ہے
آسایش و جهان ہر سایہ میں تھے دنیا کا وسیلہ دین کا ادا دی تو ہے

ایضاً

ہے تجھے نہال صیغی بک کی نہیں مشرق کو وہ فیض تجھے اے علم نہیں
شاید اے علم ماہ خشب کی طرح بہتی ہیں شاعین تری محرو وہیں

خاندانی عزت

بیٹا بچے نہ جب تک دولت سے عزت نہیں اس کو باپ کی عزت سے
نوجو تو ہے کھات کا نسب بھی عالی ہر اس کو شرف نہیں کچھ اس نسبت سے

عزت کس چیز میں ہو

دولت کہا مجھے ہر عزت ہو جان فرمایا ہنر نے میں ہوں عزت کا نشان
عزت بولی غلط ہو دو نو کا بیان میں بھیند ہوں حق کا جو ہر نیکی میں ان

توقع عجیب

ہیں یا رفیق پر صحبت میں نہیں ساتھ ہی ہیں عزیز لیک نہت میں نہیں
ان بات کی انسان ہر توقع ہو عبث جو نوع بشر کی خود جبلت میں نہیں

عقل اور دوستی متضاد ہیں

ہے عقل میں جس قدر رکی اور بیشی اتنی ہی مغالطہ ہو یہاں اور خوشی
وہ دوست نہیں جس نے کیا فکر آں چند ہیں دوستی و دور اندیشی

عیش و عشرت

عشرت کا غم تلخ سدا ہوتا ہے ہر قہقہہ پینا ہم بکا ہوتا ہے

جس قوم کو عیش و مست پاتا ہو نہیں کہتا ہوں کہ اب دیکھے کیا ہوتا ہے

عیش و عشرت

اے عیش و طرب تو نے جہان راج کیا سلطان کو گداغنی کو محتاج کیا
ویران کیا تو نے نیوا اور بابل بغداد کو قرطبہ کو تاراج کیا

غیبت

روفق ہو ہر اک بزم کی اب غیبت میں بدگوئی خلق ہے ہر اک صحبت میں
اور دن کی بُرائی ہی پہ ہر خرد بان خوبی کوئی باقی نہیں جس اُمت میں

عشق

اے عشق کیا تو نے گھرانوں کو تباہ بیرون کو خیرت اور جوانوں کو تباہ
دیکھا سدا سلامتی میں تیری قوموں کو ذلیل خاندانوں کو تباہ

سبب نوال سلطنت

دیکھ جس سلطنت کی حالت درہم سمجھو کہ وہاں ہے کوئی برکت کا قدم
یا تو کوئی سیکم ہے شیر دولت یا ہے کوئی مولوی وزیر اعظم

دین و دنیا کا رشتہ

دنیا کو دے دین نے اسرار و حکم دنیا نے کمر دین کی تھامی جہم
گروین کی ممنون بہت ہے دنیا دنیا کے بھی احسان نہیں دین کی کم
آزادگان راستبازگی تکفیر

یاروں میں پاپا چپ کی عیب گنا کافر کہا دے اعظم نے انھیں اور گمراہ
جھوٹے کو نہیں ملتی شہادت جہنم لاتا ہے خدا کو اپنے دعویٰ پہ گواہ

۱۔ یعنی کفر و ضلالت ایسی چیزیں ہیں جن کا علم خدا کے سوا اور کس کو نہیں ہو سکتا مثلاً شیخ اکبر کو بعضوں نے صدیق کہا اور بعضوں نے
زیرین اور یہ بات کہ وہ فی الواقع صدیق تھے یا نہ تھے خدا کے سوا اور کوئی نہیں جاننا پس جس شخص نے کئی امر بھی اعلانیٰ پر لائی ہیں
سو نہ اس کی تکفیر یا تفصیل کرنی ایسی بات ہے جیسے کسی جھوٹے مدعی کو شہادت ملے اور وہ اپنے دعویٰ پر خدا کو گواہ قرار دے ۱۲

بے پروائی و بے غیرتی

اسباب پر گزطمِ جهان کا ہوا
اُس قوم کا چیتا ہے حالی و شوار
عزت کی نہیں ہے جس کو ہرگز پڑا
ذلت سے نہیں ہے جس کو ہرگز کھچا
عفو یا وجہ و قدرت اہتمام

موسیٰ نے یہ کی عرض کہ لے بار خدا
مقبول ترا کون ہو بندوں میں سوا
ارشاد ہوا بندہ ہا را وہ ہے
جو لے سکے اور نہ لے بدی کا بدلا

سختی کا جواب نرمی سے

فتنہ کو جان تلک ہو دیکھے نسکین
زہر آگے کوئی تو کبجے باتیں شیریں
غصہ غصے کو اور بھڑکاتا ہے
اس عارضہ کا علاج باشل نہیں
ہمت

تیمور نے اک مورچہ زیرِ دیوار
دیکھا کہ چڑھا داندہ کو لیکر سوار
آخر سرِ بام لیکے پہنچا تو کیا
مشکل نہیں کوئی پیش ہمت شوار
کم ہمتی

جبر یہ و قدر یہ کی بحث و تکرار
دیکھا تو نہ تھا کچھ اس کا مذہب مدار
جو کم ہمت تھے ہو گئے وہ مجبور
جو ہمت تھے بن گئے وہ مختار
پشیمانی

انجام ہے جو کفر کی طغیانی کا
نمرہ ہے وہی غفلت و نادانی کا
لذت سے ندامتوں کی جاناہنے
دو رخ بھی ہو اک نام پشیمانی کا

ماسکے وفاتِ نواب ضیا الدین چیمخان مرحوم پیر مخلص دہلوی

نمری ہر نہ طاؤس نہ کبکِ طنائز
آتے ہی خزان کے کر گئے مریب از

تھی باغ کی یادگار اک بلبل زار سوا سکی بھی کل سے نہیں آتی آواز

ایضاً

غالب ہے نہ شیفۃ نہ تیر باقی وحشت ہو نہ سالک نہ انور باقی
حالی اب اسی کو نرم یاران سمجھو یاروں کے جو کچھ دلغہ بین دل پر باقی

محنت

محنت ہی کے پھل ہیں ہر اک امن میں محنت ہی کی کبتیں ہیں ہر حسرت میں
موسےؑ کو ملی نہ قوم سی جو باقی جب تک نہ چرائیں بکریاں مدین میں

گدائی کی ترغیب

اک مرد تو انا کو جو سائل پایا کی مین نے ملاست اور بہت شرمایا
یو لاکہ ہو اُس کا اُن کی گردن پیال دے دیکے جھون نے مانگنا سکھایا

تکفیر اہل اسلام

کہنا فقہا کا مومنوں کو بے دین سنتے سنتے یہ ہو گیا ہم کو یقین
مؤمن سے ضرور ہو گا مقدر میں ال تکفیر بھی کی تھی فقہائے کرامین

ترک عاشقانہ گوئی

کچھ قوم کی ہم سے سو گواہی سن لو کچھ چشم جان میں اپنی غواہی سن لو
افسانہ قیس و کوہن یاد نہیں چاہو تو لکھا ہم سے ہماری سن لو

تنزل اہل اسلام

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے اسلام کا اگر نہ ابھرنادیکھے
مانے نہ کبھی کہ میر ہر جز کے بعد دیا کا ہمارے جو اُترنا دیکھے

۱۔ یہ اُن شعراءِ دہلی کے نام ہیں جن کے ساتھ راقم کو ربط و اختصاص رہا ہے عام اس سے کہ وہ شعراء

اول کوشش اور بعد کا

کوشش میں ہر شرط ابتدا انسان سے
پھر چاہیے مانگنی مرد و زنان سے

جب تک کہ نہ کام دیکھتے باز دسویا
پانی نہ نجات فوج نے طوفان سے

کام کرنا جان کے ساتھ ہر

ہے جان کے ساتھ کام انسان کیلئے
بنتی نہیں زندگی میں بے کام کیے

جیتے ہو تو کچھ کیجئے زندوں کی طرح
مردوں کی طرح جیتے تو کیا خاک جیسے

جھوٹی نمائش

ہیں جھوٹ کے سچ میں سب سمونے والے
بننے والوں سے کم ہیں ہونے والے

کھڑیاں تہی ہیں جنگلی جیہوں میں مدام
اکثر ہیں وہی وقت کے کھونے والے

چند عیب بہت سی خوبیوں کو نہیں مٹا سکتے

موجود ہر خوبیوں اتہ میں جس کی ہزار
بظن نہ ہو عیب اس میں اگر ہوں دوچار

طاؤس کے پائے زشت پر کر کے نظر
کر حُسن و جمال کا نہ اُس کے انکار

سکوت درویش جاہل

مصرود جویوں لطیفہ خوانی میں ہیں آپ
خیر انہی سمجھتے بے زبانی میں ہیں آپ

بولین کچھ منہ سے یا نہ بولیں حضرت
معلوم ہو ہو کہ جو تھنے پانی میں ہیں آپ

مجدون کا طعن مسلمانوں پر

کتنا تھا کل اک منکر قرآن و خبر
کیا لین گے یہ اہل قبلہ باہم را کر

کچھ دم ہے تو میدان میں آئیں دُر
کتا بھی ہے شیر اپنی گلی کے اندر

۱۔ بچے جب تک کہ کشتی دہنائی۔ ۱۲

دہری کا الزام گور پرست پر
اک گور پرست نے یہ دہری سے کہا
ہو گا نہ شقی کوئی جان میں تجھ سا
دہری نے کہا کہ کیا خدا کا سنگ
اُس سے بھی گیا کہ جسکے لاکھون ہوں خدا
دانا کا حال نادانوں میں

کیا فرق ہر سماعت ہو جب کائنات میں
وانائی کی باتوں میں اور نہ انسانوں میں
غربت میں ہر اجنبی سا فرج بطرح
دانا کا یہی حال ہر نادانوں میں

رفارم کی حد

دھونے کی ہولے رفرامر جا باقی
کپڑے پہ ہر جب تلک کہ دھبہ باقی
دھو شوق سے دھبے کو پہ اتنا نہ رگڑ
دھبہ رہے کپڑے پہ نہ کپڑا باقی
اپنی تعریف سن کر ناک چرٹھانا

تعریف ہو کھل جاتے ہیں نادان فی الفور
واناؤں کے لیکن نہیں ہرگز طور
ہوتے ہیں بہت وہ دم سن کر ناخوش
مقصود یہ ہو کہ ہوتا شیش کچھ اور

حسن ظن اصل حال نہیں ٹھننے دیتا

صوفی کو کسی نے آزمایا ہی نہیں
نیکی میں شک اسکی کوئی لایا نہیں
ہو سکے راج کچھ میں بھی شاید کچھ کھوٹ
پراسکو کسی نے بان نہ پایا ہی نہیں

وینداروں کی برائیاں دین کو عیب لگاتی ہیں

پاتے ہیں زبور حج حال اہل اسلام
اسلام چھٹے دن ہیں اقوام تمام
بد پرہیزی سے بگڑے اپنے پیار
اور رقت میں ہو گیا مسجا بدنام

فکری عجبی

منزل ہے بعید باندہ لوزاد سفر
موج ہے بحر رکھو کشتی کی خبر

گاہک چوکس ہر یچہ بال کھسار
ہلکا کرو بوجھ ہے کھٹن را نگذر
انسان کی حقیقت

ممکن ہے کہ ہو جائے فرشتہ انسان
ممکن ہو بدی کا نہ رہے آئین نشان
ممکن تو ہو سب کچھ یہ حقیقت یہ ہے
انسان ہوا تک ہی قرن الشیطان

سلاطین کا عشق

ہر چند بڑا ہے عشق کا رعب آں
پر حق میں ہر شاہوت کے خصوصاً قبال
سلطان ہر ازل اگلی تو عشق
ہو ظل اگلی کے لیے وقت ڈال

وقت کی مساعدت

اے وقت بگاڑ کا ہر سب کے چارو
پر تجھ سے بگڑنے کا نہیں ہر یارا
ہو جائے گرا ایک تو ہمارا ساتھی
پھر غم نہیں بھر جائے زمانہ سارا
بڑھ جائے مین موت کے لیے تیار رہنا چاہیے
انجام کی رکھی نہ جوانی مین خبر
کی طاعت نفس مین بہت عمر بسر
کیفیت شب اٹھا چکواں حالی
مجلس کرد و ریاست ہو وقت سحر
دولت مین ثابت قدم رہنا بہت مشکل ہے

ڈر ہے کہ پڑے نہ ہاتھ دل سے دھوا
زردار ذرا سوچ سمجھ کر ہونا
جسطرح کہ سونے کی کوئی ہر محک
ہر جوہر انسان کی کوئی سوتا

حد سے زیادہ غصہ قابل عفو ہے

غصہ پہ کسی غصہ آتا ہے دین
جب تک ہے وہ عقل و دانش کے قرین
آپ سے جہاں ہو گیا تو باہر
پھر کس ہون آزرہ کہ تو تو ہی نہیں

سفہا کی مہج و ذم

کرتے ہیں سفید اگر مذمت تیری
کر شکر کہ ثابت ہوئی عصمت تیری

پر مہج کرین وہ گر نصیب اعدا رکھ یاد کہ اچھی نہیں حالت تیری

مرض پیری لا اعلان ہو

اب ضعیف کے پنجہ سے ٹکنا معلوم پیری کا جوانی سے بلیت معلوم
کھوئی ہو وہ چیز جس کا پانا ہو حال آتا ہے وہ وقت جس کا ٹکنا معلوم

اسراف

مسرّت نہ بس اپنے حق میں کانٹے بوئیں نعمت نہ خدا کی راگناں یوں کھولیں
گر بخل پہ لوگ اُن کے ہنسن بہتر ہے اس سے کہ فضولیوں پہ اُن کی روئیں

رد سوال

یہ سچ ہے کہ مانگنا خطا ہے نہ صواب زبیا نہیں سائل پہ مگر قمر و عتاب
بدتر ہے ہزار بار از دین بہت سائل کے سوال سے تلخ جواب

کھانا بغیر بھوک کے مزائیدین دیتا

کھانے تو بہت میسر آئے ہیں بہین جو دیکھ کے چکھ کے دل سے بھائے ہیں بہین
پر سب لذت تھے وہ کھانے اور بھوک جو تو نے کبھی کبھی کھلائے ہیں بہین

علم و عمل کا سرمایہ مال و دولت سے بہتر ہے

چھوڑو کہین جلد مال و دولت کا خیال مکان کوئی دن کے ہیں دولت ہو کہ مال
سرمایہ کرو وہ جمع جس کو نہ کبھی اندیشہ فوت ہو نہ ہو خوب زوال

اچھوتوں کو برا سننے میں بھی مزا آتا ہے

رکھتے نہیں وہ مہج و شنائی پڑا جو کر کے بھلا خلق سے سنتے ہیں بُرا
دین گالیوں کا ہو جنکو چپکا حالی آتا نہیں اُن کو کچھ دعاؤں میں مزا

شکریہ مدح کلام رستم

جوشِ خم بادہ جامِ خالی میں ہوا پھر دلوں پہ پیدلِ حالی میں ہوا
تسلیم نے دی کچھ سطحِ داد سخن تجھ کو بھی شک اپنی بے کمالی میں ہوا
احسان بے منت

احسان کے ہے گروہ کی خواہش تکو تو اس سے یہ بہتر ہے کہ حسان کرو
کرتے ہو اگر احسان تو کرو اسے عام اتنا کہ جہان میں کوئی ممنون نہ ہو

قانونِ بدِ خلقی سے ناپسندیدہ

قانون ہیں بیشتر یقیناً بیکار حاشا کہ ہوائِ بظلمِ عالم کا مدار
جونیٹ ہیں انکو نہیں حاجت انکی اور بد نہیں بنتے نیک ان سوزنہار
مخالفت کا جواب خاموشی سے بہتر نہیں

حق بول کے اہل شر سزاوار نہیں بھڑکے گی مدافعت اور آتش کین
گر چاہتے ہو کہ چپ رہیں اہلِ خلعت جز ترکِ جواب کوئی تدبیر نہیں

ٹیکس

و اعظم نے کہا کہ وقت سب جاتے ہیں ٹل اک وقت سے اپنے تو نہیں ملتی اجل
کی عرض یہ اک سیٹھ نے اٹھ کر کہ حضور ہے ٹیکس کا وقت بھی اسی طرح اٹل
انسان اپنے عیب اپنے سے بھی چھپاتا ہے

جیسا نظر آتا ہوں نہ ایسا ہوں میں اور جیسا سمجھتا ہوں نہ ویسا ہوں میں
اپنے سے بھی عیب ہوں چھپاتا اپنے بس مجھ کو ہی معلوم ہے جیسا ہوں میں

۱۵ مولوی سلیم الدین رحمہ اللہ نے مولوی سلیم نے چند قلمی اردو فارسی کے داتم کے کلام کی ستایش میں
اس وقت بھی تھے جبکہ مدحیہ فکر شعرا کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ ان قلموں کے جواب میں یہ رباعی لکھی گئی تھی ۱۱

بڑے صاحبِ مین عاشقی کا دم بھرنا

آہن پیری مین شیخ ابھرتے نہیں مین دل فیتے ہین پوچی سے گذرتے نہیں مین
تھے تم تو ہر اک قید سے آزاد سدا جو جیتے ہین اس طرح وہ مرتے نہیں مین

واعظوں کی سخت کلامی

اک گہرنے پوچھے جو اصولِ اسلام واعظ نے رشتی سے کیا اسے کلام
بولو کہ حضور مقتدا ہوں جس کے ایسی ملت اور ایسے مذہب کو سلام

نواب قارا امرا اقبال الدولہ بہادر کی شان مین

توفیق نے اُس کی چھوڑ دی ہمار ہی اقبال پہ جس نے نخبِ بانی پائی
حالی لے جلے کون بازی ان سے بے جن کی رگون مین خونِ آصفیٰ ہی

۱۔ یہ رباعی مندرجہ مین جبکہ : تم حیدر آباد مین مقیم تھا اور نواب وقار الملک میٹھی سے پولو مین بازی جیت کر
آئے تھے لکھی تھی گرائی خدمت مین بھی نہیں گئی نہ آنِ آصف جا ہی مین اس بات کا اشارہ ہو کہ حضور سے قربت
قریب رکھتے ہین اور اقبال کے لفظ مین اُن کے خطاب کی طرف اشارہ ہو ۱۱

رباعیات قدیم

ہو عیب کی خواہ کہ ہنر کی عادت مشکل سے بدلتی ہو بشر کی عادت
چھٹتے ہی چھٹے گا اُس گلی میں جانا عادت اور وہ بھی عمر بھر کی عادت

مرنے پہ مرے وہ روز شب روئینگے جب یاد کرینگے مجھے تب روئینگے
الفت پہ وفا پہ جان نزاری پہ پڑی آگے نہیں رونے تھے تو اب روئینگے

فرقت میں بشر کی رات کیونکر گزریے اک خستہ جگر کی رات کیونکر گزریے
گذری نہ جس بغیر یان ایک گھڑی یہ چار پہر کی رات کیونکر گزریے

یاد اُسکی ہیجان و درد ملام اپنا ہے خالی نہ ہو کبھی وہ جام اپنا ہے
کس طرح نہ لیجئے کہ ہے نام اُس کا کس طرح نہ لیجئے کہ کام اپنا ہے

کیا پاس تھا قول حق کا اللہ اللہ تنہا تھے پھر عذریہ فرماتے تھے شاہ
میں اور اطاعتِ یزید گمراہ !!! لاحول ولا قوۃ الا باللہ

خُڑکنا تھا اے دل شہِ بیجاہ سے مل گرہ نہور بہر حق آگاہ سے مل
سرگشتگی کوئے ضلالت کب تک اسد سے ملنا ہے تو چل شاہِ ہر مل

گر کفر میں فرعون کا نانی نکلا اک شام میں بیداد کا بانی نکلا
بجھا تھا نہ تھا ہجر غفلت کی یزید دانِ نیل سے بھی زیادہ پانی نکلا

قصیدہ ترکیب بند مسدس اور چند قطعے مختلف مضامین پر بہ ترتیب اوقات تحریر

اقصیدہ نعتیہ

سخت زبان کے لیے اور زبانِ جان کے لیے
علامت اس کی غلاب الیم جان کے لیے
محبت اسکی حصارِ حسین امان کے لیے
رہا نہ تفرقہ روز و شب زمان کے لیے
بہی نہ آمد و رفت چمن خزان کے لیے
فرغ قوم کے اور شمع دو دمان کے لیے
در اس کا کعبہ مقصود انشِ جان کے لیے
زمین سر بسجود اسکے آستان کے لیے
رضائے خاطر یاران جانفشان کے لیے
کشائش گرہ کین دشمنان کے لیے
گم انکسار مدارات میمان کے لیے
کمین نازمین تعجیل ناتوان کے لیے

بے بین مدحتِ سلطان و جہان کے لیے
وہ شاہ جس کا عذر دیتے جی جہنم میں
وہ شاہ جسکا محباس و عافیت میں مدام
وہ چاند جس سے ہوئی ظلمتِ جہان مخم
وہ بھول جس سے ہوئی سعی باغبان مشکور
ہلالِ مکہ کا ماہِ دو ہفتہ شرب کا
اس کا سور و قرآن و مہبطِ جبریل
پہر گرم طوائف اس کی بارگاہ کے گرد
ہ خطہ خطہ تفقد وہ دمیدم الطاف
ہ گو نہ گو نہ مدارا وہ بات بات میں ہر
افتخار مقابل میں اہلِ نخوت کے
بن ہلاک میں تاخیر قوم سرکش کے

یہ قصیدہ ۱۲۸۷ھ کا لکھا ہوا ہے اس سے پہلے فوت میں کبھی کبھانیں لکھا گیا اسکو ابھی قدیم شاعری کا نمونہ
دیکر بدستور سائن رہنے والا ہو کہیں کچھ تصرف نہیں کیا گیا ۱۲۸۷

صفائے قلب حسودان کینہ خواہ کے ساتھ
 کمین مقدمۃ الجیش انبیاء و رسل
 برینہ مرجع و ماوا کے اہل مکہ ہوا
 اسی شرف کے طلب گار تھے کلیم و مسیح
 بس اب مغول کا کھٹکانہ راہزن کا خطر
 شفیق خلق سراسر خدا کی رحمت ہے
 شفاعت بنوی ہو وہ برق عصیان سوز
 خدا کی ذات کریم اور نبی کا خلق عظیم
 اُسی کا دین ہو کہ ہے گلشن ہمیشہ بہار
 عبور کجہ عصیان سے کس طرح ہو۔ اگر
 مریض حرص ہو پائے کب شفا جنت تک
 نہ حرف صوبت میں نہ سعت کام لب میں نہ سکت
 ارادہ عرش تک اک آن میں پہونچنے کا
 کرم کا دیکھیے دامن کمان تلک ہونسلخ
 زمین پہ ٹھہرا ہے مادامی شاہ عرش نشین
 اسی سے ہوتا ہے ظاہر عیار استعداد
 اگر نصیب ہو شیرب میں جا کے شربت گ
 اگر بقیع میں گز بھر زمین میسر آئے
 سما یا اس کا جو نقش قدم تصور میں
 حریف ثمت پیر زمین سخن حالی
 نبی کا نام ہو درد زبان رہے جب تک

دعاے خیر برائش و بگمان کے لیے
 کمین وہ خاتمۃ البابستان کے لیے
 کمین سے رتبہ یہ حاصل ہوا مکان کے لیے
 نوید امت پیغمبر زمان کے لیے
 ہوا وہ قافلہ سالار کاروان کے لیے
 بشارت امت عاصی و ناتوان کے لیے
 کہ حکم خس ہو جہان کفر و جہان کے لیے
 گنہ گرن نوکرین رخصت انس و جان کے لیے
 و گزہ ہر گل و گلزار ہے خزان کے لیے
 وہ نا خدا نہوا اس تجسیر بیکران کے لیے
 وہ چارہ گر نہوا اس درد جانستان کے لیے
 حقیقت شب معراج کے بیان کے لیے
 کیا تھا غم الواعزم نے کمان کے لیے
 ہو میزبان خدا جب کہ میمان کے لیے
 رہی نہ اب کوئی فوقیت آسمان کے لیے
 محک ہو حُب نبی دگلے استخوان کے لیے
 پیون نہ آب بہت عمر جاودان کے لیے
 کروں نہ طول اہل روضہ جنان کے لیے
 رجوم شوق میں بوسے کمان کمان کے لیے
 کمان سے لایے اعجاز اس بیان کے لیے
 سخن زبان کیلئے اور زبان بان کے لیے

۲۔ ترکیب بند مرتبہ ۱۲۵۵ھ ہجری

مرتبہ جناب مرزا اسد اللہ خان مرحوم دہلوی متخلص غالب

کیا کہوں حال درویشانی وقت کوتاہ و قصہ طولانی
عیش دنیا سے ہو گیا دل سرو دیکھ کر رنگ عالم مانی
کچھ نہیں جز طلسم خواب و خیال گوشہ رفت و بزم سلطانی
ہے سراسر فریب کہ ہم و گمان تاج فقور و تخت خاکی
بے حقیقت ہے عقل کج سرب جام جمشید راج ریحانی
لفظ اہل ہے لفظ اعرابی حرث باطل ہے عقل یونانی
ایک دھوکا ہے کھن داؤدی اک تماشہ ہے حسن کنسانی
نہ کروں تشکی میں تریب خشک چشمہ خضر کا ہو گریبان
لوں نہ اک مشت خاک کے بدلے گرے حنا تم سلیمانی

مگر ہستی بجز سرب نہیں

چشمہ زندگی میں آب نہیں

جس سے دنیا نے آشنائی کی اُس سے آخر کوچ ادائی کی
تجھ پہ جھوٹے کوئی عیش لے عمر تو نے کی جس سے بیوفائی کی
ہے زمانہ وفا سے بیگانہ ہن ستم مجھ کو آشنائی کی
یہ وہ بے مہر ہے کہ ہے اسکی صلح میں چاشنی لڑائی کی
ہے بیان حفظ و صل سے غروم جسکو طاقت ہو جدائی کی
ہے بیان حفظ وضع سے مایوس جسکو عادت ہو گدائی کی

خندہ گل سے بے بقا تر ہے شان ہو جس میں دلربائی کی
جنس کا سب سے ناز و اتر ہے خوبیان حسین ہوں خدائی کی
بات بگڑی رہی سہی افسوس آج خاقانی دسنائی کی
رشتہ عسری و فخر طالب د
اسدالغلام غالب د

بیکل ہندم گیا ہیہات جسکی تھی بات بات میں اک بات
نکتہ دان نکتہ سنج نکتہ شناس پاک دل پاک ذات پاک صفات
شیخ اور بزلہ شیخ شوخ مزاج رندا و مرجع کرام و ثقات
لاکھ مضمون اور اسکا ایک ٹھٹھول سو تکلف اور اسکی سیدھی بات
دل میں چھپتا تھا وہ اگر بٹیل دیکو کستا تھا دن اور رات کورات
ہو گیا نقش دل پہ جو لکھا قلم اس کا تھا اور اس کی دوات
تھیں تو دلی میں اسکی باتیں تھیں لیچلین اب وطن کو کیا سوغات
اسکے مرنے سے مر گئی دلی خواجہ نوشہ تھا اور شہر برات
بان اگر بزم تھی تو اس کی بزم بان اگر ذات تھی تو اسکی ذات
ایک روشن و مانع تھا نہ رہا شہر میں اک چراغ تھا نہ رہا
دل کو باتیں جب اسکی یاد آئیں کسکی باتوں سے دل کو بہلا لیں
کسکو جا کر نشانیں شعر و غزل کس سے داد و سخنوری پائیں
مرثیہ اس کا لکھتے ہیں احباب کس سے اصلی ملین کدھر جائیں
بست مضمون ہے نوحہ استاد کس طرح آسمان پہ ہو نچائیں
لوگ کچھ پوچھنے کو آئے ہیں اہل بیت جنانہ ٹھہرائیں
لائیں گے پھر کمان سے غالب کو سوے دفن ابھی نہ لے جائیں

اسکو اگلون پہ کیوں نہ دین ترنچ
 اہل انصاف غور سر مائین
 قدسی و صاحب داسیر و کلیم
 لوگ جو چاہیں اُن کو ٹھہرا مین
 ہنسنے سب کا کلام دیکھا ہے
 ہے ادب شرط منہ نہ کھلو ا مین
 غالب نکتہ دان ہو کیا نسبت
 خاک کو آسمان سے کیا نسبت

نثر حسن و جمال کی صورت
 نظم غنچ و دلال کی صورت
 تہنیت اک نشاط کی تصویر
 تعزیت اک ملال کی صورت
 قال اُس کا وہ آئینہ جس میں
 نظر آتی تھی حال کی صورت
 اس کی توجیہ سے پکڑتی تھی
 شکل امکان حال کی صورت
 اس کی تاویل سے بدلتی تھی
 رنگ پیران وصال کی صورت
 لطف آغاز سے دکھاتا تھا
 سخن اُس کا آل کی صورت
 چشم دوران سے آج چھپتی ہے
 انوری و کمال کی صورت
 لوح امکان سے آج مٹتی ہے
 علم و فضل و کمال کی صورت
 دیکھ لو آج پھر نہ دیکھو گے
 غالب کہنیاں کی صورت

اب نہ دنیا میں آئیں گے یہ لوگ

کہیں ٹوھو نہ پائیں گے یوگ

شہر میں جو ہو سو گوار ہے آج
 اپنا بیگانہ اشکبار ہے آج
 نازش خلق کا محل نہ رہا
 رحلتِ فخر و رنگار ہے آج
 تھا زمانے میں ایک رنگین طبع
 رخصتِ موسم بہار ہے آج
 بار احباب جو کھٹاتا تھا
 دوش احباب پر سوار ہے آج
 تھی ہر اک بات بیشتر جس کی
 اُسکی چپکے جگر نگار ہے آج

دل میں دیکھتے تھی خلشِ حسی
دل مضطرب کو کون دے تسکین
تلخیِ غم کی نہیں جباتی
کس کو لاتے ہیں بہرِ دفن کہ قبر

وہی بر بھی جگر کے پار ہے آج
ما تم یارِ غمگسار ہے آج
جانِ شیریں بھی ناگوار ہے آج
ہم تن چشمِ انتظار ہے آج

غم سے بھرتا نہیں دلِ ناشاد
کس سے خالی ہوا جہان آباد

نعتِ حسنی کا گنجدان نہ رہا
ساتھ اُس کے گئی ہمارِ سخن
ہوا ایک ایک کاروانِ سالار
رونقِ حُسن تھا بیانِ اس کا
عشق کا نام اس سے روشن تھا
ہو چکی حسن و عشق کی باتیں
اہلِ ہند اب کر نیلے کس پر ناز
دندہ کیونکر ہے گا نامِ لوگ
کوئی دیا نظر نہیں آتا

خوانِ مضمون کا میزبان نہ رہا
اب کچھ اندیشہِ مخزان نہ رہا
کوئی سالار کا روان نہ رہا
گرم بازارِ گلِ رخاں نہ رہا
قیس و فرہاد کا نشان نہ رہا
گلِ ولبلل کا تر جان نہ رہا
رُشکِ شیراز و اصفہان نہ رہا
بادشاہوں کا صحنِ خوان نہ رہا
وہ زمین اور وہ آسمان نہ رہا

اٹھ گیا تھا جو مایہ دارِ سخن
کس کو ٹھہرائیں اب ہمارِ سخن

کیا ہے جہین وہ مرد کا رہتا
شاعری کا کیا حق اس نے ادا
بے صلہ مع و شعر بے تحسین
نذرِ سالِ تھی جان تک لیکن قطعہ

اک زمانہ کہ سازگار نہ تھا
پر کوئی اس کا حق گزار نہ تھا
سخن اس کا کسی پر بار نہ تھا
درِ خورِ ہمتِ افتد ار نہ تھا

ملک و دولت سے بہرہ ور نہوا قطعہ جان دینے پہ اختیار نہ تھا
 خاکساروں سے خاکساری تھی سر بلندوں سے انکسار نہ تھا
 لب پہ احباب بھی تھا نہ گلا دلیمن اعدا سے بھی غبار نہ تھا
 بے ریاائی تھی زہر کے بدلے زہاؤں کا اگر شمار نہ تھا
 ایسے پیدا کہمان ہیں ست خراب ہمنے مانا کہ ہوشیار نہ تھا
 مظہر شان حسنِ فطرت تھا
 معنی لفظ آدمیت تھا

کچھ نہیں فرق باغ و زندان میں آج بلبل نہیں گلستان میں
 شہر سارا بنا ہے بیتِ حزن ایک یوسف نہیں جو کھان میں
 ملک کیسے ہوا ہے بے آئین اک فلاطون نہیں جو یونان میں
 ختم تھی اک زبانِ پشیرینی ڈھونڈتے کیا ہو سبب و رآن میں
 حصر تھی اک بیانِ مینِ نگینی کیا دھرا ہے عقیق و مرجان میں
 لبِ جادو بیان ہوا خاموش گوشِ گل داہر کیوں گلستان میں
 گوشِ معنی شنو ہوا بیکار مرغ کیوں نعرہ زن ہرستان میں
 وہ گیا جس سے بزمِ روشن تھی شمع جلتی ہے کیوں شبستان میں
 نہ رہا جس سے تھا فروغِ نظر سر نہ بنتا ہے کیوں صفا ہن میں
 ماہِ کامل میں آگئی ظلمت
 آبِ حیوان پہ چھا گئی ظلمت

ہند میں نام پائیگا اب کون سکے اپنا بٹھائے گا اب کون
 ہمنے جانی ہو اس سے قدر سلف ان پر ایمان لائیگا اب کون
 اس نے سب کو بھلا دیا دل سے اس کو دل سے بھلائیگا اب کون

تھی کسی کی نہ جبین گنجائش
اس سے لینے کو بیان ہم آئے تھے
مر گیا قدر دان ہنس سخن
مر گیا تشنہ مذاق کلام
تھا بساط سخن میں شاطر ایک
شعرین نامستام ہے حالی
کہ لَنَّا فِیْہِ مِنْ مَّجْدٍ وَ عَوِیْلٍ
دَعَتَابِ مَعَ الزَّمَانِ طَوِیْلٍ

۳۔ قصیدہ نعتیہ

میں بھی ہوں حسن طبع پر مغرور
خاک ہوں اور عرش پر ہوں دماغ
خاکساری پر میری کوئی نہ جلے
میرے دل میں بھرا ہوا ہے غرور

۱۔ اس قصیدہ کی تفسیر علامہ یحییٰ علیہ السلام کے ذریعہ بیان میں ہے جو یہ وہ زمانہ ہے کہ دلی میں نامور شاعر کا خاتمہ ہو چکا ہے
موتن ذوق، آرزو، غالب اور شاد نے ایک کے بعد ایک خدمت چھوڑ دی اور میدان بالکل خالی ہو گئے تھے۔ دونوں میں ستارام کے
بازار میں ایک شاعر ہزار پایا، مسیح طبع پر بیخ لیں بٹے ہوئے لکھن جو دستوں کی جاوید تحسین آفرین سے داغ میں نعل آگیا
تھا اور جن کی داد کی توقع پر وہ غزلین لکھی تھیں کہ کسی وجہ سے باوجود صرار کے شاعر میں تھے بیروالہ نے خریداری کی بے اتفاقی
سے شاید یہی کسیانی نہیں ہوتی جیسا کہ شاعران لوگوں کی بے اتفاقی سے جنکو وہ سچ اپنے شعور کا تھوکان سمجھتا ہو
خام خیالی کے جوش میں اس قصیدہ کی غویہ تمہید لکھی گئی تھی مطلب یہ تھا کہ اگر لوگ ہماری قدر نہیں کرتے تو ہم آپ ہی اپنے نمہ
میاں ٹھونکتے ہیں کہ ان کے خیالات کے موافق اس بات کا یقین تھا کہ جو طرح آج کل تجارت کی گرم بازار میں ہوتا
کے ذریعہ سے ہوتی ہو وہی طرح شاعر بھی ہونے سے انی جاتی ہو لیکن جب معاشرہ سے زیادہ بڑھ گیا تو دختہ اپنی غلطی پر
تمہید ہوا۔ لہذا قصیدہ کا خاتمہ نعتیہ شمار کیا گیا تاکہ غم کے لیے ایک وجہ پیدا ہو جائے ۴

نہ گنواہل عصر میں مجھ کو سا میں بہت کھینچتا ہوں آپ کو دور
 چشمہ آب خضر کی مانند سا چشم اہل جہان سے ہوں مستور
 دل سے داد اپنی لیچکا ہوں بہت سا مجھ کو پروا نہیں کہ ہوں مشہور
 مثل یوسف دکھائے جو ہر ذات سا جب کو کہنا ہو مفت یاں منظور
 جیسے شہباز ہوقض میں اسیر ا ہوں زمانہ کے ہاتھ سے مجبور
 کلب و قمری کو رخصت پرواز ۲ بال و پر مفت صعوہ و عصفور
 جو نہ سمجھے مجھے کہ کیا ہوں میں سا اس سے شکوہ نہیں کہ ہر معذور
 لذت سے جو نہ ہو آگاہ سا اُس کو کیا تدر خوشہ انگور
 جسکے آنکھیں نہ ہوں وہ کیا جانے سا روز روشن ہے یا شبِ دیگور
 پہلے ہوگی کسی کو تدر ہنر سا اُٹھ گیا اب جہان سے یہ دستور
 درد دل کا بیان کروں کس سے سا بات کھوتی نہیں سنئے منظور
 سخن حق کی داد لون کس سے سا سن چکا ہوں فسانہ مفسور
 دل آباد مفت بے ہنران ہو چکا حنائے ہنر معسور
 مرزدہ خسرو کو وصلِ خیرین کا ہو چکی سعی کو بہنِ مشکور
 ہمنے دیکھی تیز اہل نظر ہمنے دیکھا مذاق اہل شعور
 ہے غرض ان کو صوتِ نمودن سے نالہ دل ہو یا نواسے طبور
 ہو کسی شے سے ان کی گرمی بزم داستان ہو وہ یا کہ درسِ زبور
 ہے نقطہ روشنی سے ان کو کام موم ہوا صلِ غلغ یا کافور
 ہے بیانِ قائلِ انا مردود ہو وہ فرعون وقت یا منصوب
 آپ اپنے سخن سے ہوں مخلوط دلِ اصحاب گو نہ ہوں فرور
 یاں اگر کام ہے تو شیرین سے قصر خسرو کے اور ہیں مزدور

دل احباب پر نہیں چلتا
 ہوں تماشائے شہر نابینا
 دریکتا ہوں اور ہوں بے آب
 چشمہ پیدا و کاروان نشہ
 اس زمانے میں غریب ہوئیں
 صاحب قدر و جاہ ہے جب تک
 کاش اُس عہد میں مجھے پاتے
 کاش دان دیکھتے مجھے کہ جان
 کون تجھے مجھے کہ ہوں کیا چیز
 کون دیکھے مرے چمن کی بہار
 جس سے ہوتا ہر خستہ سینہ ہوش
 جس سے ہوتا ہے کور پردانہ
 شرح نقطہ کی گر کردن تحسیر
 ترک عشق بنان کرین عشاق
 گر کردن ذکر لذت طاعات
 چھیر دون گریسا نہ فساد
 کرنے جاؤں جو حق سے عذر گناہ
 لون ملائک سے داد حُسنِ کلام
 وہ شہنشاہ امتی جس کا
 سحر میرا کہ رہیو غیر سے دور
 ہے برابر مرا خفا و ظہور
 ماہ کامل ہوں اور ہوں بے نور
 بادہ پُر زور و کسب من مخور
 جو وطن سے ہولاکہ منزل دور
 کار فرما ہے چین میں فقور
 تھا سخن جب کہ قبلہ جمہور
 متنبی بختا مودع کا فور
 انوری ہے نہ عرفی و شاپور
 مر گیا عند لیلة نیشاپور
 ہے زبان پیری وہ دم سا طور
 ہے مری غمین وہ لمحہ نور
 تنگ ہو عرصہ نقوش و سطور
 مجھ سے سُن پائین گریستائش جو
 تلخ کردن مذاق فراق و فجور
 دل خسرو میں ڈال دون ناسور
 لے کے آؤں نوید عفو قصور
 گر لکھوں نعت سرور جمہور
 یان گنگار اور دان مغفور

لے عندلیب نیشاپور سے مراد نظیری ہے۔ لیکن اگر وہ ہوتا تو اس سے زیادہ اور کیا قدر کرتا جیسا کہ شیخ
 علی حزمین نے سودا کی نسبت کہا تھا کہ در پوچھ گویان ہند غنیمت مست نہ ہو

وہ خداوند خدمتی جس کا
 مژدہ اے استضعیف کہان
 لب شیریں کلام سے اسکے
 اثر فیض عام سے اس کے
 چرخ کو دے اگر وہ حکم سکون
 صرصر سرگر چلے اس کی
 جس طرے ہو وہ گرم نظارہ
 ہو جان لطف سے وہ سایہ نکلن
 بات پوچھو تو سوے چرخ نگاہ
 ہو سکے اس کی خوبون کا شمار
 اے ترا پا یہ فہم سے برتر
 بین ترے در پہن کے آیا ہون
 کچھ نہیں زاد راہ پاس اپنے
 طبع غالب ہو اور میں مغلوب
 بحر غفلت میں ہون سر سر غرق
 چھوڑتی ہی نہیں خودی امن
 مہر فرزند و خواہش زرو سیم
 ایک بیمار اور سودا زار
 نفس آمارہ اور دیو مرید
 مجھ سے جو کام چاہیے تیجے
 حسد و بغض و غیبت و بہتان

یان سبکسارا اور وان ماجور
 سخی ہوتی ہے بے کیے مشکور
 دوست بھی شاد غیر بھی مسرور
 کعبہ آباد و سگدہ معمور
 ہو غلط نسخہ سنیں و شہور
 بند ہو مسلک صبا و دہور
 جلوہ گر ہو ادھر سے لعلہ طور
 موزن ہو وہاں سے چشمہ نور
 سینہ دیکھو تو علم کا بخور
 نعمتیں حق کی ہون اگر محصور
 اے ترانام عرش پر مطور
 نام تیرا شفیع روز نشور
 مگر استغفور رب غفور
 نفس قاہر ہے اور میں مقہور
 نشہ کبر میں ہون بالکل چور
 ہون بہت اپنے اٹھ سے مجبور
 طمع جاہ و منکر عیش و سرور
 ایک رنجور اور سونا شور
 یہ ہے انھی تو وہ ہر گناب عقور
 جھوٹ ہو یا فریب ہو یا زور
 بخل و حرص و ہوا و فسق و فجور

ایک جو چڑھے بن نہیں آتی ہے وہ خدمت کہ چپہ ہوں مامور
دل لگے بندگی میں کیا امکان لب پہ ذکر حق میں کیا مذکور
مایہ عقل ہے نہ شور جنوں نہ دل بیتاب ہے نہ جان صبور
نہ معاصی میں تلخی خلعت نہ عبادت میں چاشنی حضور
فی مثل ہے مری سلمانی جیسے رنگی کا نام ہو کا فور
ہاں گر کچھ امید بندھتی ہے تیرے زمرے میں گر ہوا عشور
جب ترے کاروان میں جا پونجا پھر ہا باب حنلہ کتنی دود
دوری آستان والا سے ہے بہت تنگ حالی ہجور
لب دعا یہ ہے اے شفیع اُمم بس کہ بیتاب سے دل رنجور
جا لگے تیرے در پہ کشتی عسمر جب کروں بحر زندگی سے عبور

جیتے جی دل میں یاد ہو تیری
موتے دم لب پہ ہوتا مذکور

نہ قصیدہ حنیہ نامتام

نواب کلب علی خان مرحوم رئیس مایپو کی شان میں

ظہر حق کلب علیخان جسکے بذل جوڑ ہند سے لے تا عرب میں خاصی عامی گوا
صاحب علم و عمل اور تابع احکام دین زائر قبر ربی اور حاجی بیت الہدی

۱۲۹۱ھ میں اس وقت لکھا گیا تھا جبکہ نواب مرحوم علی گڑھ کے مدرسۃ العلوم کا پیرن ہونا منظور کر چکے تھے
اور بارہ رو ہسپتال کی جاگیر ہیشہ کے لیے مدرسہ کے اخراج کا واسطہ اور کئی ہزار روپیہ نقد بطور چنڈ کے دیکھتے تھے
اگر مصلحت ان کی خدمت میں پوچھا نہیں گیا اور اسی لیے اتمام اس کے اولیٰ آخر کے کچھ اشعار ضائع بھی ہو گئے ہیں ۱۲

شاعری میں فردوسی کی فارابی عصر
 دولتِ برطانیہ پُلُس کی فرزند کی کا حق
 اسکی ہیبت کے لرزے ہیں مقرب اور جلیس
 مرج ارباب علم و فن ہوا اس کا باب فیض
 گل زمین ہند میں تھے جو درخت باردار ۲
 گر مناظر ہیں تو ہیں سر و فزاہل کلام ۳
 نور اہل یقین یا مجمع اہل سلوک ۴
 شاعر شیریں نفس یا شاعر سنجیدے ۵
 بے بدل ہوا الغرض جو ہے اس باغین ۶
 بہرہ درہن فیض سے تیرے بلا و دوست
 بار محصولات سے یا ان تک پہنچی ہلکی کہ اب
 خیر تیری ہے حصار عاقبت تیرے لیے
 نعمتیں حق کی ہمیشہ کی سمیٹی زمینار
 خوانِ نعمت پر ہر تیرے یہاں نون کا ہجوم
 ہے یقین تجھ پر پڑے صحابہ عشر کی نگاہ
 دولت و اقبال روز افزون تیرے ہر عیان
 پرورش پائی تھی جنکے سایہ دولت میں قوم
 کچھ گھرانے رہ گئے ہیں جو کہ آتے ہیں نظر
 یہ اگر بے نہ کشتیاں اس طوفان میں
 رہ گئی تیری خریداری سے شرم اہل فضل
 بل گئے تھے گو ہر درج شرافت خاک میں

صوت روح افزا صورت آیت صنع خدا
 دولت عثمانیہ کو اس سے پو نہ دلا
 اور قوت پرہیز نازان مجرم و اہل خطا
 یہ وہ دعویٰ ہے کہ خود دربار ہوا اس کا گوا
 اُن کو چُن چُن کر بیان لایا چمن بندِ بنخا
 اور محدث ہیں تو ہیں سرچشمہ علم و ہرے
 نکتہ چینان محبطلی خردہ گیران کشف
 فیلسوف متبدل یا عارف علتِ رُبا
 بیل جادو نوا ہوا گل رنگین ادا
 اسے خوشا وہ سرزمین جبر ہو تو فرمان روا
 بازشت سے ترے پشت رعیت ہے دوتا
 سیر ہو کر تجھ کو دیتے ہیں بہت بھوکے دعا
 ہر بھلائی کی ملی وہ چند گر تجھ کو جزا
 نام پھر زندہ ہوا خوانِ خلیل اللہ کا
 جب کہمین کس نے کیا حق میزبانی کا ادا
 جو کہ حامی قوم کے ہیں اُن کا حامی ہے خدا
 لے گئی اُن کو ہر موج سیلاب فنا
 ہند میں اب تکیہ گاہ امت خیر الہی ہے
 کشتی اسلام تھی منجھد صہار میں بے نا خدا
 در نہ انکی جنس کا گاہک ہیان کوئی نہ تھا
 خاک سے تو نے اٹھایا اُن کو اور بخشی جلا

ہو رہے تھے دو زمان علم دولت جان لب
کول میں پودا لگا ہے جو پے تندریم
ہے یہ وہ احسان جسکے بارنت سے کبھی
تیرے ظل تربت میں گر رہا یہ تو نہ سال
فرض اگر کیجیے اُسے دیوار کا رخ آرزو
اور اگر کیسے کہ ہے یہ قوم کی کشت مراد
تیرے ایک اک کے چوایا خلق میں آب بقا
آبیاری سے ہر تیری ہی اُسے نشو و نما
قوم کی گردن نہ ہلکی ہوگی بے رے دریا
ہے یقین پھیلین گی شاخیں اسکی طہنی اسو
تو وہ پشیمان ہے جس سے اسکی قلم ہو بنا
تو ہے اُس پرابر رحمت کی طرح چھایا ہوا

۵۔ قصید نامت مرقومہ ۱۲۹۲ھ

سر سید احمد خان ام بقا و ہم کی شان میں

پہنان نہیں ہر یار و سب پر کھلا ہوا ہو
ہے اک لکیر باقی جس پر فقیر ہیں ہم
اس پر بھی اے عزیز ہے جاے خرقم کو
قبلہ ہے وہ تھارا جو گھر ہے سب پہلا
دی ہے وہ مصلح کل حق نے کتاب نکو
بخشی تھیں حکومت حکمت تھیں عطا کی
اس دور آخری میں جب تون بگڑ چلے تم
سر سبز چاہتا ہو جو قوم کو حسان میں
وقت اپنا کام اپنا جان اپنی مال اپنا
عاری اس پر قوم کے ہیں وہ قوم کی سپر ہے

جو حال آج اپنا اور اپنی قوم کا ہو
خود سانپے رہنیاں سے کنگا نکل گیا ہو
دینوں میں دین بیضا حق نے تھیں دلچ ہو
ہادی ہو وہ تھارا جو ختم انبیا ہو
جس نے شریعتوں کو شیر و شکر کیا ہو
دوران سدا موافق تم سے یونہی رہا ہو
اک ہا شمی تھارا مصلح کھڑا کیا ہو
فتوون سے قوم کے گو کا فر ٹھہر چکا ہو
یار دن پہ جس نے سب کچھ قربان کر دیا ہو
قوم اُس سے بدگمان ہو وہ قوم پرندا ہو

۱۔ یہ قصید اس وقت لکھنا شروع کیا گیا تھا جبکہ مدرسہ علوم کا بنیادی پتھار ڈولٹن اپنے ہاتھ سے رکھ چکے تھے
اور سر سید کا مہم کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے تھے۔ مگر سبب کمزورت وینوی کے پورا نہ ہو سکا۔

ہمدرد قوم ایسا ہنسنے سنا نہ دیکھا
تعلیم کی بھاری بنیاد اُس نے ڈالی
بعد از قرون اولیٰ کس نے کیا بتاؤ
یہ درد اُس کو جد کی میراث میں ملا ہو
ملکوں میں جس کا چرچا ہجرت ہو رہا ہو
سید نے کام آکر جو قوم میں کیا ہو

۶۔ قطعہ مرتبہ ۳۰۳

مرثیہ مہین برادر رستم جناب خواجہ امداد حسین مرحوم

کل سوگ میں بھائی کے اُسے یکے کے چپ
خاموش کبھی ہنسنے نہ تھے یوں نہیں دیکھا
شادی میں تری تہنیتیں ہنسنی ہیں
ہنستا ہے نہ روتا ہو نہ بزلہ ہے نہ نوحہ
دُنیا ہو یہ اک دار فنا جس کا اٹنا
ہو جائے گر انسان یوں نہیں ہر پنج خاموش
اک آہ بھری سُن کے چالی نے کج سے
فرمایا کہ موجوں سے بھور کے نہیں آگاہ
حالی ہی کو معلوم ہو چالی کی حقیقت
آئے ہیں سدا بھائیوں سے بھائی پھرتے
پر بھائی ہو جس شخص کا حالی کا سا بھائی
جس بھائی نے بیٹوں کی طرح بھائی کو پالا
جس بھائی کے آغوش میں پیش اُس نے سنبھالا
شفقت نے دیا جسکی بھلا ہمسرہ پر کو
جتنا بھی رہا بھائی گر اُس بھائی کے پیچھے

حالی سے کہا ہنسنے کہ اسے بھر معافی
کیا ہو گئی وہ تیری طبیعت کی روانی
ماتم میں بھی دیکھی ہو تری مرثیہ خوانی
کچھ کہہ تو سہی ولین یہ کیا تو نے ہو ٹھانی
سب خاک سے تا بخشہ افلاک ہو فانی
کس طرح دلوں کے ہون حیان از بھائی
دل ہل گئے اور سب کے لبو ہو گئے پانی
ساحل پہن جو راہ سپر قاصم دانی
مشکل سے کس نے لکی غریزون کو کھانی
موت ایک کے آگے ہے ضرور ایک کے آتی
غم بھائی کا مر جانے کی ہو اسکے فشانے
سوکھی ہوئی کھیتی میں دیا باپ کے پانی
جس بھائی کے سایہ میں کٹی اسکی جوانی
دی آنے کبھی دل پہ نہ بھائی کے گرانی
لذت نہیں جینے سے نصیب اسکو ٹھانی

دل مردہ ہو حالی کی طرح جس کا غریزہ
یہ چپ نہ لگائے کسی دشمن کو بھی اللہ
بولین گے بھی سوار نہیں گے بھی جانین
پر آہ۔ کلی وہ جو ہے مرجھا گئی دل کی
باقی رہیگا داغ سدا بھائی کا دل پر
کیا ڈھونڈتے ہو اسکی طبیعت میں روائی
یہ چپ نہیں مرجائیکے ہو دل کے نشانی
یہ ناؤ ہے ہر طرح بہن پار لنگھاتی
مشکل ہو وہ منہس بول کے آپس میں لکھاتی
ہر چند کہ فانی تھا وہ اور ہم بھی بہن فانی

۷ قطعہ مرتبہ شمس الجہری

بجانب نواب سر آسمان جاہ بہادر دارالہمام سرکار عالی

آسمان جاہ کی خدمت میں بحالی کی عرض
شکر ممکن نہیں اس کا کہ مجھے بگڑیٹھے
نہ ہوئی مجھے کوئی خدمت مگر نظام
نہ کوئی مجھ میں ہنر ایسا کہ ہو لایق ستار
حق نہ تھا دولت عالی پہ کوئی حالی کا
ہاں مگر ذات میں ہر فیض رسانی جن کی
ہیں مرنی ہنر و بے ہنری کے جس طرح
آسمان جاہ کا اک بین ہی نہیں شکر گزار
یاں وہ اُن کھیتوں کو ٹیکے گیا ہے پاتی
قوم اس وقت ہر تعلیم کی جتنی محتاج
عزت۔ آسودگی اور ملت و مذہب اُن کا
پھر نہ تدران کی کچھ آنکھوں میں خلائی کی بلند
کہ اگر میرا ہر اک رد نگٹا ہو جائے زبان
اُس نے ممتاز کیا بھیجے شاہی فرمان
نہ کیا میں نے کبھی طوف در صدر زمان
اور نہ ایسا کوئی جو ہر جو قیمت میں گران
جسکے جلد میں نہ اس طوطے کا ہوتا شایان
ڈھونڈتے ہیں کوئی حیلہ برای حسان
خار و گل دونوں کو کرتا ہو نہال آب و ان
لک میں اُس کا ثنا خوان ہو ہر اک پیر و ان
آنکھ اسلام کی خود چین کی طرٹ ہو مگر ان
ہے وہ عالم پہ ہو یاد نہیں محتاج بیان
ہو نہ تعلیم تو ہیں سب کوئی دن کے بیان
اور نہ وزن ان کا تر از وزن حکومت کی گران

آسمان جاہ پر برکت ہو خدا کی جتنی
مدرسے قوم کے اس ملک میں جو ہیں ممتاز
اُن کی امداد سے نواب کی ہے تمام
کرتے ہیں زندہ جاوید نبی فرغ کو۔ جو
ہے مدارس کی اعانت وہ نکوئی جسکا
یہی بخشش ہو یہی جو دہر اس الحسان
یہی امداد ہو جس ہوئیں تو ہیں سرسبز
یہی قوت ہو کہ تھے ہیں قوی جس ضیعت
دی لگا ایک نے پانی کی سزاہ سبیل
اسکی خواہش تھی کہ ہوتے رہیں پلے سبیل
برکتیں علم کی جو ملک میں پھیلاتے ہیں
بخت اس ملک جس ملک میں ایسا ہو زیر
اب خدا سے یہ دعا ہو کہ جہانیں جب تک
آسمان جاہ سے ہو تقویت ملک کن
دولت قیصری و دولت آصفیابی

ورد کا جان لیا اُن کے کہ یہ ہر دمان
جن میں کچھ نظر آتے ہیں تکی کے نشان
چشم عالم میں سیجائی پہ اپنی بڑمان
بذل کرتے ہیں بے تربیت اہل زمان
ملک پر قوم پہ تادیر رہے گا احسان
جس پہ بقوت ہو یہودی نسل انسان
یہی تدبیر ہے جس سے ہے ملک آبادان
یہی حکمت ہو کہ ہوتے ہیں سبک جس گران
کی ہیشہ کے لیے ایکے وان نہر روان
اُس نے چاہا کہ ہے پیاس کا بانی نہ نشان
نہر جاری سے ہے ذات انکی سوائف نمان
حامی علم حسنہ یاد رکھال انسان
شکر احسان کا کرتے رہیں جہان احسان
اور ہو ملک کن لجا و امدادے جہان
ایک کی ایک زمانہ میں ہے پشتیبان

۸۔ قصیدہ مرتبہ ۱۳۰۶ ہجری

تمیزت عید القدر بہ جناب نواب سر آسمان جاہ بہادر مدار ملہام سرکار عالی

مہر صیام گیا اور روز عید آیا
خوشی کا عید کی حق ہر کوئی بحال آیا
کیا خدا کا ادا شکر روزہ دلزون نے
کہ اپنے صبر کا انعام ہم نے بھر پایا

رہیں منت ساقی ہن بادہ خوارم نام
 گئے ہن ایسے ساجد سے متکف جھنش خوش
 شگفتہ آنے ہن اس طرح عیگاہ سے لوگ
 حسین چاؤ میں پھولے نہیں سمانے آج
 غریزہ دوست گلے ملتے پھرتے ہن باہم
 حکیم ہن متفکر نہ زاہد افسردہ
 غنی ہن شال میں بست اور گدہ میں کھال میں بست
 اُدھر ہے فصل بہار اور ادھر ہے عید لفظ
 کھلے ہن اسکے عوض دشت میں کٹوڑوں پھول
 ہزاروں سرد خرامان ہن شہر میں ہر سو
 اگر خوشی کا زمانہ کی ہے یہی عالم
 مگر یہ عاریتی انسا ط ہے سب بیچ
 فریفتہ ہوے جو ایسی ایسی خوشیوں پر
 خوشی ہے جس سے عبارت ہو خوشی انکی
 جھنوں نے دین کے گرتے ستوں کو تھا
 جھنوں نے ملک کے امراض کو کیا شخص
 جھنوں نے خلق سے اپنا بنایا غیر دن کو
 خمر رضیوں کی لی جاہلون کو دی تسلیم
 ہوا زمین چس سال آسمان نمسک
 ہواے دہر اگر ہو گئی کبھی فاسد
 سدا غریبوں کی امداد پر ہن جو تیار

کہ تیس روز کے پیاسوں کا روزہ کھلوا یا
 کہ جیسے طفل ہو مکتب سے چھوٹ کر آیا
 کہ گنج اُٹھوں نے ہے گویا خرابہ میں پایا
 کہ دن خدا نے نائیش کا اُن کو دکھلایا
 خدا نے سیکڑوں روٹھوں کو آج منوایا
 خوشی نے دی ہر زمانہ کی کچھ پلٹ کا یا
 ہے ایک نخوان سے نعم نے سب کو چھپوایا
 سمان نشا ط کا ہو شہر و دشت پر چھپایا
 جو غم سے شہر میں آج ایک نل ہو کھلایا
 جو دشت میں کوئی پودا ہے آج مچھپایا
 تو سمجھو غم کا عوض غمزدوں نے بھر پایا
 اس انسا ط پہ غافل ہو جو کہ اترا یا
 اُٹھوں نے آب کا دھوکا سرب پر کھلایا
 جھنوں نے خلق میں ذکر جیل پھیلایا
 جھنوں نے علم کا بچھتا چراغ اُکسایا
 جھنوں نے قوم کے افسردہ دل کو گرایا
 جھنوں نے لطف سے وحشی دل کو پرچایا
 کھلایا بھوکوں کو بے پوششوں کو پہنایا
 مینہ اپنی داد و دہش کا اُٹھوں نے برسایا
 فضاے دہر کو خلق حسن سے مہکایا
 لیا سبھال اُسے جس نے ہاتھ پکڑایا

ہمیشہ مانگتے والوں کو بے دریغ دیا
 نہ سمجھا آپ کو اک پاسبان سے بڑھ کر
 نہ پائی کھانے میں لذت نہ چین کسی نے
 دغا میں شیر مگر وقت رحم مور ضیعت
 وہ سمجھے یہ کہ کوئی قافلہ ہوا اتاراج
 وہ چونک اٹھے کہ گویا قیامت اب ہوئی
 نشاط و عشرت جاوید کی ہواں کو تو یہ
 سنا تھا کان سے جو ذکر خیر عہد سلف
 بشیر دولت و دین صدر عظیم امرا
 جو ظل حق ہو رعیت سر پہ شاہ و کن
 ہمیشہ جسکو ہے بہود ملک تہ نظیر
 اٹھایا فتنہ نے جب سرفرو کیا اُس کو
 بنائے نظم و نسق جس نے رکھی شور مچی پو
 دکن کو جس نے کیا مہج خواص و عوام
 نہ کوئی ملک میں سرکش رہا نہ نافرمان
 بل انتظام کے رشتہ میں پڑ رہے تھے بہت
 لگا گئے تھے وزیران رفتہ جو پودا
 ترقی اب یہ تمدن میں کی ہو بلکہ نے
 زمان حال سے ماضی کو دیکھے کیا نسبت
 خدا دراز کرے عمر عظیم الامرا
 زمین پہ سایہ فگن جب تک آسمان ہے

نہ مانگ سکتے تھے جو ان کے گھر پہ پہنچا
 اُنھوں نے لطف حکومت اسی میں کھنچا
 ستم رسیدہ کا جب تک کہ حق نہ دلوا یا
 کسی کی آہ سُنی اور دل اُن کا بھر آیا
 جو شاہ راہ میں پتا کسی نے کھڑکایا
 جو در پہ آ کے کوئی داد خواہ چٹلایا
 دل ایسا جن کو عنایت خدائے فرمایا
 سو آنکھ سے وہ وزیر دکن نے دکھلایا
 نہیں ہے جسکا کوئی قرب شہ میں ہمایا
 تو عظیم الامرا ظل حق کا ہے سایا
 رفاہ دامن مالک میں جس نے پھیلایا
 پڑا اعلیٰ میں جہان عقدہ اسکو بٹھلایا
 مشیر کار خرد پر ورون کو ٹھٹھلایا
 دکن کا جس نے کڈنکا جہان میں بچلایا
 جفا و ظلم کو توڑا غرور کو ڈھلایا
 سو تلخ کی طح ایک ایک بل نکلوایا
 وہ صاحبی میں وزیر زبان کی بھل لایا
 کہ اپنی حالت پیشین سے خود ہے شرمایا
 اندھیری چھائی ہوئی تھی کہ دن نکل آیا
 دکن کو جسکی حکومت نے دن یہ دکھلایا
 رہے دکن پہ حضور نظام کا سایا

تھی کوئی چیز نہ حالی کے پاس لائق نذر
سویہ چگاسہ نہ ناچیز پیش لایا
یہی بس لے لے ہو گا مایہ نازش
جو اعظم الامر نے قبول فرمایا

۹۔ قطعہ مرتبہ ۳۵

تہنیت ولادت فرزند ارجمند و شہستان اقبال جناب نواب سر آسمان جاہ بہادر مہاراجہ سرکار عالی

فیض ربی و المہن سے شردہ لے اہل کن
دہی بشیر دولت دین کو وہ خیر اللہ نے
جسکو پری کا عصا سمجھا خلیل اللہ نے
جسکے پلنے سے ہوا دلو و منون قضا
جسکے بدلہ میں علی الرغم شہادت پیشگان
جو بضاعت ہو گدا کی اور دولت شاہ کی
جس سے مستغنی ولی ہیں اور نہ عارت بے نیاز
صدر عظم کو دیا صد شکر خالق نے خلعت
یہ پسر یار ب بحق عترت خیر الورے
صدر عظم کی طرح دربار آصفیہ میں
دولت و ثروت کو اسکی ذات سے لگے گشت خان
سیرت و عادت میں اسکی نکلے آن اجداد کی
ملک آصف جاہ میں سر آسمان جاہ اور و

نائب دولت کا نخل آرزو لایا مگر
جس سے پایادیدہ یعقوب نے نور بصر
حق نے دی جسکے عطا ہوئی سارا کو خیر
جسکے پانے سے ہوا ایوب مہون قدر
حق سے ختم الابیہا نے پاؤں شیر و شیر
جو ہے حاصل عمر کا اور زندگانی کا مگر
جس سے ہیں اجداد زندہ اور اماجد نامور
خلق کی آخر دعاؤں کا ہوا ظاہر اثر
پاے عمر خضر زیر سایہ ہر پیر
جایگاہ قرب سلطانی ہو اسکا مستقر
زیور علم و ادب سے ہو جلتی اس قدر
جو ہر اخلاق کا روتی ہوں اس میں جلوہ گر
رات دن رکھیں اُجالا صورت شمس و قمر

۱۰۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ نواب سر آسمان جاہ بہادر حضرت مسٹر فاروق رضی اللہ عنہ کی

۱۰. قصیدہ مرتبہ ۱۳۰۹

اسے صفر کی دوسری۔ روزِ دو شنبہ مر حبا
 ہنسنے رکھا آگے جب بلدہ کی سرحدیں قدم
 غرتِ قومی ترستی تھیں بد آنکھیں جسے
 کھنوج میں جس فخر کے پھرنے تھے اک سنگِ سیم
 بھیک کو نکلے تھے گھر سے کچھ بھکاری قوم
 پہنچنے لگے ان کو وہ اعیان دارِ لہلہک سے
 قوم لو ہے جن پہ فخر اور ملک کو ہر جنِ ناز
 صدرِ اعظم نے بہینِ سبشا اقامت کے لیے
 ہم غریبوں کو سمجھا کر اک سفارتِ قوم کی
 پیشتر مہمان نوازی کا فقط سُننے تھے نام
 کی ہر نواب اقتدارِ لہلہک سے جو مرحمت
 یہ مقولہ ہند میں مدت سے ہو ضرب المثل
 ہے دکن کی وہ یہی شاید مسافرِ بروری
 وارثِ ملک کن ہو آج وہ محبوبِ خلق
 ہم کہہ ہیں وکٹوریہ کے مہدافت میں پہ

ہم نہ بھولیں گے کبھی وہ تیری صبحِ نغزا
 پھر گیا آنکھوں کے آگے اپنی اک عالمِ نیا
 اسکے کچھ آثار دیکھے ہنسنے یاں شکرِ خدا
 آگے بلدہ کے سوانہ میں لگا اس کا پتا
 جھولیاں لے لے گئے مین در بدر دینے صدا
 دولتِ عالی کو جن کی ذات پر ہے (تکا
 سلطنت کے جہین اعضا اور نارت کے قوسے
 وہ ہرستانِ خجل ہو جسے جنت کی فضا
 دی وہ عزت۔ شکر جسکا ہو نہیں سکتا ادا
 آگے یاں تھے کہ ہے ہمان نوازی چنکنا
 اس نے کلفت کو سفر کے دل سے بالکل دھنکا
 جو کہ جا پوچھا دکن میں بس مہین کا ہوتا
 جو دکن میں آگے دیتی ہو وطنِ دل سے جھلا
 نام پر دیتا ہے جس کے جان ہر چھوٹا بڑا
 اسن آزادی کی ہنسنے کھائی ہو ہر سون ہوا

یہ قصیدہ ماہِ ستمبر ۱۳۰۹ء مطابق صفر ۱۳۰۸ء میں مقامِ حیدر آباد کوچ کچھ اکڑ سرسید احمد خان بہادر مع اکثر
 رفقا کے جمیں سے ایک اقامت میں تھا بطورِ پیشین گوئی کے محفلِ کالج علی گڑھ کی طرف سے حضورِ سرکارِ نظام میں حاضر ہوئے تھے
 ایک جلسہ عام میں پڑھا گیا تھا جس کے صدر انجمن جناب نواب قارالام بہادر تھے ۱۳۰۹ء

جانتے ہیں ہم کہ جتنی ہے رعیت کس طرح
 کرتے ہیں کس شر اور قانون سے خیر قلوب
 کر لیں محکوم کے دلیں اگر حاکم نے گھر
 ہے بھی شاہ دکن کی گلہ بانی کی دلیل
 پوچھنے چھنے کی اہل ملک سے حاجت نہیں
 دیکھتے آئے تھے جیسے راہ میں ہم سبزہ ناز
 راہ میں دیکھے تھے ہم نے کوہ اگر گردن شکوہ
 عالموں کی سخت گیری سے ہیں سب آدیاں
 اغنیاء میں ہم وہ ستیانا نہیں پائے کمین
 جتنی یافتہ ہیں میں سب بکشتی ہیں ہم سب جل
 ایک تہوار میں بے غم ہیں سب کے شریک
 دولت عالی نے حق سب کو برابر میں دیے
 پاریسی سبند مسلمان یا سبھی کوئی ہو
 ہم کو یان کہنا تھا کچھ اور کہہ گئے تھوڑے سچے
 قصہ کو تہ۔ بار جب ہم کو ملا دربار میں
 دیکھ کر اپنی رسائی تخت آصفیہ تک
 حضرت والا نے جس شفقت کے کین نیرین قبول
 جس توجہ سے سنی رواد و قومی در سگاہ
 جبے کا لٹ کی علی گڑھ میں بنا ڈالی گئی

کس طرح ہوتے ہیں مقبول جہان فرمانِ خدا
 کس طرح ہوتے ہیں دلیں خلق کے تحم دفا
 تو یہ سمجھو حق حکومت کا کیا اس نے ادا
 گلہ اپنے گلہ بان پر جان دل سے ہو ندا
 ان کی خوشحالی پہ ان کی تازہ ردئی ہو گوا
 خلق کو سر سبز دیکھا آگے یا ان سے سوا
 آگے دار الملک میں دیکھے محل گردون نما
 بیولے منعہ اور منعہ سے ٹرے جھکر بیولا
 جیسا بے پروا نظر آتا ہو یاں ایک اک گدا
 بے تعصب کے تکلف بے نقص بے ریا
 ایک کی تقریب میں ہم ہیں سب ہم فدا
 ایک پر ترجیح کچھ رکھتا نہیں یاں دوسرا
 ہے دکن کو ہر کوئی اپنی ولایت جانتا
 رہ گذر کی سیر نے منزل سے غافل کر دیا
 کہہ نہیں سکتے کہ بیداری تھی یا خواب تھا
 واقعہ مورا در سلیمان کا ہیں یاد آگیا
 اُسپہ گرجان اپنی ہم قربان کرین تو ہر بجا
 شکر سے اُسکے نہیں ہو سکتے ہم عہدِ برا
 دولت عالی مدد کرتی رہی اس کی سدا

۱۲۔ یہ ایشیہ جو اس محل کی طرف جو کہ قواب و قارا لامرہا روئے بلکہ حیدر آباد کے باہر جانب جنوب پہاڑ پر چڑھ کر
 صرف کر کے اپنے رہنے کے لیے بنوایا ہو اور اس کا نام فلک نامہ رکھا ہو ۱۲

جولگا یا تھا درخت اُس کی ہمیشہ لی خبر
اب کہ وقت آکر پڑا تھا باقی کالج پخت
شکستین جیلج کی تھیں قوم کی اول کل
خود علی گڑھ کالج اور اسکے دیو وار سب
ہندوین باقی ہین نملین جب تک اسلام کی
کی ہے سرسید نے جو کوشش فلاح قوم میں
پیر سرسید سے بڑا پارہ ہونا تھا حال
تھا پڑا سید کا سچ پوچھو تو خشکی میں جبار
ہے روایت سب کہ ہجرت کر کے ختم اسلامین
جس طرح ہونی ہر بانی سانپ کی جائے پناہ
ہے بلا تشبیہ دار لہک آصف جاہ بھی
ذی لیاقت جتنے تھے ہندستان میں نجات
ترنین اور خانقاہین رمدو اور مسیحین
ج بیت اسد سے جو ہر سلمان پہر فرض
اول آنا چاہیے یا نہ استطاعت کے لیے
خرچے سے ہاتھ اک سلمان کا ہو کر اترینگ
خواب آتے ہین دکن کچ اُس کو سوتے میں نظر
ہندوین کرتے ہین کوشش جو فلاح میں
چلتے چلتے انکی گاڑی بھی اٹک جاتی ہے جب
ہے دکن کی اور مسلمانوں کی یار و مثال

دسبم باقی دیا یان تک کہ بار آور ہوا
دولت عالی نے شرط دستگیری کی ادا
کی اسی دریا دلی سے انکی پھر حاجت روا
راگ گالین گے سدا احسان آصف جاہ کا
جیتے جی ہو گئی نہ اُسکے طوق بستے رہا
اُسکو ہے اے اہل مجلس اک زمانہ جانتا
دولت عالی اگر بنی نہ اُس کی ناخدا
دولت عالی نے اُس خشکی میں گنگا دی ہوا
پونچے غیر سبین کو یہ ارشاد وارمن سے کیا
ہوگا لبا اب مدینہ بھی یونہی سلام کا
ہندوین اب مرکز اسلام بنے رو دیرا
دولت عالی نے چن چن کر لیا سبے ہما
سب کی ہونی ہو نیاس مگر سبے چون مچرا
ہے دکن آنا مقدم رشک نہیں اسین فرا
کیونکہ ہے بے استطاعت حج کو جانا نا
ہو دکن کی سمت وہ گردن اٹھا کر دیکھتا
قوم کا بچہ بدل سے جب ذرا آگے بڑھا
اور مد کو جن کی ان حاضر ہر چھوٹا بڑا
کھینچنے کو اُسکے جاتا ہے سبین سے بٹھایا
اک نمند رہی کہ ہر سو چین ہے طوفان پیا

لے جگہ ہی یا پھر ایلوں سے نہیں کھ سکتا تو یوں کی جڑی کا گے تیرا بل لگا پڑوین انکو ہٹا لیتے ہین ۱۲

تھا جہاں اک اسیرِ معمر اہلِ فضلِ جاہ سے
 ڈوبنے والے تھے جو وہ ڈوب کر اچھلے نہ پھر
 کوئی کشتی یا جہاز آتا نہیں اُن کو نظر
 ہے وہ زورِ قی فی اشل سرکارِ آصفیاء کی
 ہے ونا جس وقت تک بانیِ سہندین ہے
 ختم کر حالی پاسِ صدرِ عظمیٰ پر سخن
 تقویٰ کی جسکی ہر شکل جاری حل ہوئی
 پھر ادا کر جان و دل سے شاکرِ صدرِ انجمن
 جس نے قومی انجمن میں بن کے صدرِ انجمن
 لیے اذنِ صدرِ مجلس کیجے پھر قصدِ وطن
 باندھ لیجئے جلدِ آبِ رختِ خضرِ دہر کہ ساتھ
 لطمہ اسواج نے پرے دیے اُسکے اُڑا
 بیچ رہے ہیں جو وہ ہر سوار تے ہیں ستِ پیا
 اس محیطِ بے کران میں ایک ورق کے سوا
 ہے مسلمانوں کو اب لے دیکے جس کا آسرا
 یارِ باسِ زورِ قی کو تو موجِ حوادث سے بچا
 بالِ بال اپنا ہے جسکے شکستہ میں جگر اہوا
 انجمن کے منقہ ہو نیکی دی جس نے رضا
 جسکے قدموں میں یہ زریا ہو کہ دین لکھن
 قوم کو دی غرت اور انکی امیدیں نہ بن ٹھٹھا
 ورنہ ہر حالی دکن کی دلخیرِ آبِ ہوا
 قافلہ سے چھٹ نہ جائے قافلہ سالار کا

۱۱۔ قطعہ مرتبہ ۳۰۹ ہجری

بقام حیدر آباد دکن

یاں بھلا کر دی ہو جو غرت ہمیں بکارتے اول اُس کا شکر کرتے ہیں محمد و علی بن

۳۰۹ ہجری میں جو راقم اور مولانا محمد شبلی نے اور دیگر بزرگانِ قوم انریسل سرسید محمد خان بہادر کے
 ہزارہ علیگندہ محمدن کالج کی طرف سے بطورِ پیشکش کے حیدر آباد دکن میں بمختصر سرکارِ عالی نظام حاضر ہوئے تھے
 اس موقع پر ایک نام بلند ہندو توابیہ تالماہرا بنا رہے تھے باغ میں منعقد ہوا تھا جس میں راقم نے اور مولانا محمد شبلی
 اور بعض اور صاحبوں نے اپنے نظموں سرکارِ عالی کے شکر میں پڑھی تھیں جلسہ کے بعد جناب صدر انجمن نے مجھ کو
 اور مولانا محمد شبلی کو خاص طور پر ہماری نظموں دو بارہ مننے کے لیے دولت خانہ پر طلب فرمایا تھا وہاں
 اپنی نظم پڑھنے سے پہلے یہ قطعہ جو اس وقت موزون کیا گیا تھا راقم نے پڑھا تھا ۱۴

خدمتِ الامین ہیں اک عرض کرنی چاہتے
شاعری جسکو سمجھتے ہیں کمالِ انبائے دھر
شکر کرنا تھا ہمیں سکرِ عالی کا ضرور
گرچہ کی ہر کوشش ان نظم کے کھٹے میں بہت
رہ گیا ہے اس کوشش میں باقی اکی قصور
اور تو کچھ خوبیاں شاید ملین ان میں مگر

عرض کرنے کی اجازت ہوا اگر اپنے تئیں
جو لیاقتِ اس میں ہر دم کا وہ ہم میں نہیں
چند نظیں انجمن میں اس لیے مجھے پڑھیں
اور جگہ نکشت رکھنے کی نہیں چھوڑی کہیں
درگزر فرمائیں گے سرکار اس کے یقین
چھوٹ۔ جو اشعار کا زیور ہر وہ ان میں نہیں

۱۲۔ قطعہ مرتبہ ۱۳۰۹ھ بمقام حیدر آباد

در شکر اصناف و لطیفہ بہ پیش گاہ جناب نواب سر آسمان جاہ ہمدرد

اے بشیرِ دولت و دین نایب شاہ و دکن
مجھ پر نہ بایا ہو جو لطفِ کرم سرکار نے
جو کہ ہوتے ہیں جہان میں بہرہ و مقصود سے
کوئی دنیا میں نہیں ہوتی بغیر اسکے فتوح
پر ملا مقصود جب حالی کو اس سے بلا
قدر دانی گزرا نہ میں یونہی ہو جائے عام
یار اس سرکار کو۔ ہر جس سے عالمِ فیضیا

اے حمات و کن کا ذاتِ پتیری مدار
شکر اس کا کر نہیں سکتا ادا میں زینہار
پہلے ہو لیتے ہیں صد مشکلوں وہ وچا
ہے اسی پر کامیابی کا زمانے کی مدار
بے تردد۔ بے تزلزل بے طلب انتظار
پالین بے مانگے مراد میں اپنی سب امیدار
جب تک دنیا رہے دنیا میں رکھو برقرار

۱۳۔ ترکیب بند مرتبہ ۱۸۹۱ء مطابقت ۱۳۰۹ھ

جو مجھ کو بچہ کشیل کا نفرس کے چھٹے اجلاس میں بمقام علی گڑھ پڑھا گیا
شکر اس نعمت کا یارب کرے کیونکر زبان - تو نے دکھا ہم کو یان فقر و غنا کے دریاں
اس نظم میں متوسط درجے کے لوگوں کی حالت کو فقر اور اغنیاء دونوں کی (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۰ پر)

جب ہوے بھٹو کے تو بچتی تو نے تان فغانخویش
 جب ہوے پیاسے تو بچتا آب شیریں رانی خشک
 ٹوٹھا نکلنا چاہا بدن جب تو دیا تو نے لباس
 کھانے پینے کو کچے برتن ہم تو نے عطا
 سونے اور آرام کرنے کو دیا بستر ہمیں
 رہنے سنے کو دیے گھر تو نے ہم کو ہر جگہ
 آنے جانے کو دیے دو پانویاں تو نے ہمیں
 راہ اور بے راہ یکساں جن کو ہنگام نہ رام
 کی سواری بھی عطا اکثر جو پیش آیا سفر
 سیم دزد رفت ضرورت ہم کو تو دیتا رہا
 آبرو تو نے ہمیں دنیا میں دی اور استیاز
 نعمتیں اکثر ہمیں بعد از مشقت تو نے دین
 راحتیں اکثر میر آئین تکلیفوں کے بعد
 وقت پر کرتا رہا بارانِ رحمت سے نہال
 قحط اور طوفان دونوں سے بچا یا بال

تقریر حاشیہ صفحہ ۱۱۳۹ء حالت بہتر تھا یا گیا ہے متوسطین سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اپنی ذاتی کوشش
 اور سلفِ ہلپ سے دولت عزت نیکنامی یا علم و فضل میں اپنی پہلی حالت سے ترقی کر کے اپنے ہم درجہ میں
 امتیاز حاصل کیا ہو۔ ادنیٰ درجے سے وہ لوگ مراد ہیں جو اپنی طبیعت و حالت سے آگے بڑھنا نہیں چاہتے یا
 چاہتے ہیں مگر نہیں بڑھ سکتے۔ اعلیٰ درجے سے وہ لوگ مراد ہیں جو دولت و عزت کے لحاظ سے ایک ممتاز حالت
 میں پیدا ہوئے مگر اس حالت سے ترقی کر سکی ضرورت نہیں سمجھتے اور نیز اس حالت پر قائم رہنے کی فکر اور اس
 منزل کرنے کا کچھ انداز نہیں کرتے۔ ۱۲ء حالی۔

الحذر اس فقر و ناداری سے سو بار اندر
چاپلوسی جا کے کرتے ہیں سفہوں کی فقیہ
وزن میں علم و فضیلت جتنے ہر سنگ کو
فقر و حاجت میں نہوا انسان کو جب تک
بھیک منگوئے جو اٹھالوے یہ چوری کئے
ہو سکے محتاج سے طاعت نہ یاد اللہ کی
کہ زبان آلودہ اُسکی شکوہ تفسیر سے
گرنجیلوں کی مذمت پر بھی آجائے وہ
اگلے زہر اتنا کہ ہو جائے مذاق بزم تلخ
کہ دلیئے عام کی مانگے دعا اللہ سے
اور کبھی چاہے کہ ہو دنیا میں کوئی انقلاب
بے حلاوت اسکی دنیا اور مذہب اسکا دین
رات اُس کی حسرت آگین اور دن انور و کین
گو کہ بدتر فقر سے یارب نہ کھتی کوئی بلا

لو طری جاتے ہیں بن جسکی بڈلت شیر نر
ناکسوں کے ناز و بچا ستے ہیں اہل ہنر
وہ ملک تروانہ خرد دل سے آتے ہیں نظر
پھر نہیں کوئی بُرائی فقر و حاجت سے
پت گنوالے آبرو گھوٹے پھرائے در بدر
لے سکے محتاج جو رو کی نہ بچون کی خبر
اور کبھی بوجھار اس کی آسان پیر پر
ہو نہ سب و شتم سے سیری اُسے دود و ہیر
کھول دے غیبت کا دفتر اہل دولت کی اگر
تا کہ دو لقمہ بھی کچھ دن رہیں اسیمہ گر
تا کہ ہو جائیں بلند اور پست سب نیر و زبر
خونفاک اُس کا ارادہ نیت اُس کی پر خطر
شام اُسکی برنجوست اور شوم اُس کی سحر
تھا مگر ثروت میں اُس سے بھی زیادہ شور و شمر

فقر سے تو نے بچایا یہ بھی کم نعمت نہیں
پُر دی ثروت سوائے شکر کی طاقت نہیں

اس نے مرد آزما کی تھی بہت کل بنگال
ڈھیر ہے بارود کا دتے تھے تھگاسین ڈال
جسطح جذباتِ نفسانی کو بھڑکا ہوا مال
نفس انسان میں اگر بالفرض ہو کوئی کمال
اور ہوے سلب آدمی سے آدمیت کے خصال

نشہ دولت تھا پھر ہوش میں آنا محال
نفس تارہ اور اُس پر چھڑ پال دجاہ کی
باد صحر آگ کو اسطرح بھڑکاتی نہیں
مضم کرنا اور بچانا مال دولت کا ہو پس
ورنہ مال و جاہ و کمالت کا جہان بیا قدم

عقل ٹھہراتی ہے جو افعال انسان چرلم
 فقر میں تھا نفس دین امانہ جس سے
 خواہشیں دین نفس میں اب سب مٹ گئیں
 آپ کو گنتے لگا بالا ترازا بنائے جنس
 مسرت بے زر ہو جیسے قرض خواہوں میں کھلا
 جھک بڑی طبع دتی گر بخل خست کی طفت
 اور اگر بھوت اُسکے سر پر چڑھ گیا اسارت کا
 آگیا غالب طبیعت پر گزشتہ قاصد حرص
 باؤ پر تلوار کی چلنا نہیں شاق اس قدر
 گلشن دولت کے ہوں انگوٹھے بھی اگر
 دیکھ لے رہا ہے نفس دین حذران سحر

ہے عجب دنیا میں نعمت درمیانی زندگی
 چین ہے دنیا میں گر کچھ تو اسی حالت میں ہے
 فقر و ثروت فی لیل ہوں دو رخ اور جنت اگر
 دخل شیطان کا ہو چین ایسی جنت کو سلام
 اس کٹھن منزل میں ہے بیاہی اک خنجر
 رکھتے ہیں فقر و غنا میں جو کہ حالت میں ہیں
 اپنے سے اعلیٰ کی حالت پر اگر آتا سرشک
 سُن کے ہو جاتے ہیں سیدھے بڑوں کا خرد ناز
 لذت فقر و غنا دونوں سے ہیں نہ آشنا
 جو گذرتی ہو گدا پر اُس سے ہیں وہ باخبر
 فقر کی ذلت سے اور ثروت کے فتنہ سے بڑی
 یہ جو ہے برنخ میان کمند و دست تہی
 مانتے ہیں ہم حذر دو رخ سے اور جنت سے بھی
 منزل اعزاز سو بار ایسی جنت سے بھلی
 ہیں ادھر کھڑا اور چڑھائی ہے ادھر البرز کی
 ہیں حسد اور کبر کے امراض مہلک سے بری
 دیکھ کر ادنیٰ کو کر لیتے ہیں اپنی دل دہی
 مل کے چھوٹوں سے بہک جاتا ہو گشتا کبھی
 اعتیاد میں ہیں فقیر اور دین فقیر دین میں غنی
 کیونکہ حالت گاہ گاہ اُن پر بھی گزری ہے یہی

امتحان دولت کے بھی ہیں کچھ نہ کچھ پھیلے تھے
 اس لیے جب کہتے ہیں عسرت اپنا جنس
 اور نہیں کرتے زبان طعن پیدا دہی دا
 مست کی بے اختیاری تشنگی نمود کی
 کیونکہ ہر گھونٹ میں اس کے برستی دہی
 جوش ہمدردی سے کل اُنکا ہو جاتا ہر جی
 جبکہ سنتے ہیں کسی نعم کی از خود ہر فتنگی
 واردات ایک ایک کی ہر سرب از پر کلی
 جنت اور دوزخ ہر سب عرفیوں پر جلوہ گر

گندم اور زقوم دونوں انکے ہیں پیش نظر
 دل توانا اور قوی یاد کی ہمت ان سے ہو
 مشکلیں اکثر انھیں قوم کی ہوتی ہیں حل
 ہو انھیں کے دم سے جو ہے گرمی سنگامہ آج
 ہے جہان دولت ابھی میں نظم دولت کے فیصل
 ہاتھ میں انکے ہیں جسے عقل و دانش کے ہیں کام
 ہیں گداؤں کے ۔۔۔ پیلے اور شاہوں کے مشیر
 آویرت سیکھتے ہر زبان سے سب چھوٹے بڑے
 یہ ہنوں تو علم کی پہچان نہ کوئی بات یاں
 پاؤ گے انہیں طبیب تین ادیب انہیں خطیب
 پاؤ گے ان میں مهندس پاؤ گے ان میں حکیم
 کرتے ہیں اخلاق ادنیٰ اور اعلیٰ ان سے اخذ
 ان میں قسطنطنیہ کے ہیں مصرح ان میں ملکوں کے کیل
 چھوکتے ہیں روح قوت ہی نہ سر دین
 منظم ہر قوم دولت کی جامعہ ان سے ہو
 بھائیوں کے بازوؤں میں زوہد قوت ان سے ہو
 ساری قومی مجلسوں کی زینت ان سے ہو
 ملک کی دولت میں ہو جو خیر و برکت ان سے ہو
 عقل و دانش میں ہو جن ملک کی شہرت ان سے ہو
 شاہ ہوں یا ہوں گداؤں کو قوت ان سے ہو
 نوع انسان میں بقائے آدمیت ان سے ہو
 رونق بازار جنس علم و حکمت ان سے ہو
 ہے اگر انسان کو حیوان فیضیت ان سے ہو
 آدمی مصداق رجائی خلافت ان سے ہو
 آدمی سب ہیں مگر انسان عبارت ان سے ہو
 آبرو قوموں کی اور ملکوں کی عزت ان سے ہو
 ہر جہان فہموں میں کیمرنگی روحیت ان سے ہو

دم سے ہو دبستہ ان کے قوم کا سارا نظام
 یہ اگر بڑے تو سمجھو قوم کا بگڑا تو ام

گرنہ ہو ہر حال میں ان کی مصالح نظر
 گھسیلتی ہو جسطح بتیس انتون میں زبان
 گھاٹیاں فقر و غنا کی ان کے ہین دونوں طرف
 ایک جانب بستی فطرت ہو اور دونوں ہم
 جھگڑے گرا سطر تو مفت کھوٹھے بھین
 ڈھل گئے گرا سطر تو اس بلا میں بھنس گئے
 بکتیں اس کی اس قوم پر جس قوم میں
 ہین معطل اغنیا اور بے نوا کو تاہ دست
 جو قومی ان کو ملے ہین کام میں لائیں بھین
 فرض ہین جو ان کے ذمہ خالق اور مخلوق کے
 قوم ہو کر نیا تو ان تو تقویت بخشین اسے
 گو نجات انسان کو مکروہات دنیا سے نہیں
 کام دنیا میں سنوارے ہین جنہوں کے قوم کے
 سائے بھگتاتے تھے یائین ہاتھ سودنیا کے کام

ہین مفسد گرد و پیش ان کے فراہم سر بسر
 ہے انھیں بھی شریو یان نہ بچ گئے ہنا بھر
 اور رشتہ بیچ میں ہے بال سے بار یک تر
 ایک جانب مستی و غفلت ہو اور کبر و لطف
 وہ جو اڑنے کے لیے حق نے دیے تھے بال پر
 جس میں بھنس جاتی ہو کھی ٹھنڈا مٹھا جان کر
 رہ سپر یہ طہمت والا ہو سیدھی راہ پر
 سب کی پڑتی ہو انھیں کے دست مہاز و پر نظر
 تاکہ زندون کی طرح ہو زندگی ان کی بسر
 ان میں سرگردان رہیں یوانہ دار آٹھون پہر
 کیونکہ اس کے ضعف سے ہر ان کی قوت کو ضرر
 جن سے بچنا گوشت سے ناخن چھٹانا ہو مگر
 تھے نگوں سے وہ مکروہات میں آلودہ تر
 اور داین سے مہین قوم کی کرتے تھے سر

جسطح اس انجن کے رکن آئے ہین تمام
 قوم کی خاطر ہزاروں چھوڑ کر دنیا کے کام

جس سے جان آتی ہو مرد و بیوہ طاق ہے یہی
 مانی کو کرتی ہو جو برکت وہ فوت ہے یہی
 قوم جس دولت کی بھوک ہو وہ دولت ہے یہی
 دانہ کو کرتی ہو جو خرمن وہ برکت ہے یہی
 راحتین جسکی طفیلی ہین وہ رحمت ہے یہی

قوم کو ہو اس جسکی وہ جماعت ہے یہی
 اتفاق قوم ہو اقبال و دولت کی دلیل
 مال و دولت نامبارک ہے نہوگر اتفاق
 یان کیل ایک اک ہو شہر اور ملک قائم مقام
 رایگان جائیگا بارون کا نہ یہ بچ سفر

خود فرد آتے ہیں جو جاتے ہیں یا بجے مجمع
 تم ہمارے کام آؤ ہم تمھارے کام آئیں
 قوم کی خدمت میں ہر ضمیر رویت کی شان
 قوم کی ذلت کو سمجھیں ذلت اپنی سب عزیز
 سال بھر رہتا ہو نقش اس انجمن کا یادگار
 گویا ہے قوم کے سر کل کو یہ مجمع وسیع
 اتفاقاً گر کبھی ہو جائے یہ ہنگامہ سرد
 ہر کبھی افراط باران اور کبھی ہے قحط آب
 کال ہے گراس برس تو ہوسماں اگلے برس
 دیگ تو پکتے ہی یہ پکے گی دھیمی آنچ میں

انجمن ہو قوم کی ہنگامہ شادی نہیں
 ایک دن کا کام کچھ رو مائی آبادی نہیں

۴۱۔ مسدس مرتبہ ۱۳۱۰ھ

مرثیہ جناب حکیم محمود خان مرحوم دہلوی

اے جہان آباد اے اسلام کے دارالعلوم
 تھے ہنر و تجربہ میں اتنے جتنے گردون پر نجوم
 لے کر تھی علم و ہنر کی تیرے اک عالم میں دھوم
 تھا افاضہ تیرا جاری ہند سے تا شام و روم
 زیب دیتا تھا لقب تجھ کو جہان آباد کا
 نام روشن تجھے تھا غرناطہ و بغداد کا

تیری طبیعت میں ودیعت تھا مذاق علم دین
 ہند میں جو تھا محدث تھا وہ تیرا خوشہ چین
 جیسے امی تجھ میں تھے عالم نہ تھے ایسے کہیں
 تھی محدث خیر اسے پانچت تیری سرزمین

تھا اتفاق بھی سلم تیری خاک پاک کا
 بہتی رقت تھا ایک اک فقیہ اس خاک کا
 شاد و نادر تھا تصوف میں کوئی تیرا نظیر
 تیرے کھنڈہ رون میں پڑے سوتے ہیں نہ مہر تیر
 آج جس دولت کا بازارہ جان میں کال ہے
 تیرا قبرستان اس دولت کا مال ہے
 طب میں گو یونانیوں کا ہے آگے تھا قدم
 آن کر اس نے لیا تھا دوسرا قدم
 جب کہ تو آباد تھا دنیا میں لے باغ ابرم
 بہرتے تھے تیرے اطباء بھی ہرجائی کا دم
 ہند میں جاری تھی سے طب یونانی ہوئی
 شہر شہر اس جنس کی بان تھ سوار زانی ہوئی
 خاک اٹھے ہیں تیری جیسے جیسے نکتہ در
 راس تھی آب و ہوا تیری سخن کو حیف در
 حسن صورت میں اگر ضرب المثل نہ تھا
 حسن معنی تیرا حصہ ہے جہاں آباد تھا
 لیکے ساتھ اسلام نکلا تھا عرب سے جو علوم
 دولت و اقبال کا جب تک کہ ہاتھ پر هجوم
 آئی گلشن میں نہ تیرے بھول کر فصل سزل
 تیری سرحد میں رہا ہر علم و دانش کا سامان
 جسطح تھا افضل دانش میں ترا شہو نام
 ۱۱ فافتر سوزند کے قریب ایک قطعہ زمین ہو جہاں کا سر و خوبی و زیبائی درستی میں ضرب المثل ہو ۱۲
 ۱۳ نو شاد اور خلد و شہر قدیم ترکستان میں تھے جو حسن خیزی میں شہر تھے ۱۴

آدمیت کھٹے آتے تھے تجھ سے خاص و عام
شہری و بدوی تری تقلید کرتے تھے مدام

ہم میں آئین میں اوضاع میں اطوار میں

طرز میں انداز میں رفتار میں گفتار میں

رہ گیا باہر سے آکر جو کہ تجھ میں چند سال
ڈھل گئے سانچے میں گویا اسکے عادات و خصال

آکے بن جاتا تھا یا نقصان انسان کا کمال
تیرے پرچھاوین سے موتی بن جاتے تھو خصال

آتے ہی انسان کی کاپی مل جاتی تھی یاں

چاندن میں مٹی بھی نہرت بکھل آتی تھی یاں

تیرا معرہ تھا اک عالم میں مرجع اور آب
آن کر لیتے تھے یاں ٹھیک جہان کے انتخاب

بستے تھے اطراف سے آکے تجھ میں شیخ و شاب
کرو یا تھا تیری آبادی نے ملکوں کو خراب

جگھٹا تھا تجھ میں تن کن فرس و موم و رنگ

دستہ تھا گویا کہ تو گلہ لے رہا رنگ

لیکن آخر طبع دوران کا ہے جیسے اقتضا
ہر ترقی کی ہے صد ہرابتدا کی انتہا

جب کہ دورہ اپنا تو دنیا میں پورا کر چکا
وقت لے جان جان تیرا بھی آخر آگ

گردش افلاک کے ہونے لگے بڑھ چکی اور

تیرے گلشن سے بھی کوچ آخر لگی کوئے بہار

تجھ سے دار الخلافت انضاب آنے لگے
غیب سے تجھ کو بتا ہی کے خطاب آنے لگے

طالع مشفق کے پیغام عذاب آنے لگے
تیرے بختی کے نظاروں کو خواب آنے لگے

دولت اقبال کا بندھنے لگا بخت بفر

تجھ سے لے دارالعلوم اٹھنے لگا علم و ہنر

ہو گئے تیرے محدث راہی دارالامام
کر گئے دنیا سے رعت تیرے مفتی اور امام

ہو گیا رخصت جہان سے تیرا جاہ و احتشام
رفتہ رفتہ ہو گئی سب صاحبی تیری تمام

مجلسین ہم ہر مین فیروز دیوان ہوئے
 خاتما ہیں لے چرخ اور دے میران ہوئے
 چل دیے نوبت بہ نوبت تیرے شاعر ادیب
 نہٹ گئی تیری طبابت چھٹ گئے طعنب
 جاگ جاگ آخر سدا کو سو گئے تیرے نصیب
 اس گلستان سے نہ اٹھی پھر صد اعنہیب
 جنکو کھو بیٹھے نظیر ان کا کہین پایا نہ پھر
 جو گیا اس کا کوئی قائم مقام آیا نہ پھر
 کر گئے اخلاق اور آداب سب تجھ سے سفر
 گر گیا نظرون سے تیرا سب جلال جاہ وافر
 چھڑ گئے تاج شرف سے تیرے سب نعل و گھر
 تجھ کو لے دار الخلافت کھا گئی کسکی نظر
 علم ہے باقی نہ اب دولت ہوئے پاس وہ
 اے گل شرمزدہ تیری کیا ہوئی بوباس وہ
 دور آخر میں کہ تیرا تیل تھا سب جل چکا
 بجھتے بجھتے تھا کچھ اک نور نے سنبھالا سالیہ
 خاکسایان تیری پھر اگلے دہل بے بہا
 جن سے روشن ہو گیا کچھ دن کو نام سہلان کا
 عہد ماضی کا سماں کھنوین سبکی چھا گیا
 خواب جو بھولا ہوا مدت کا تھا یاد آ گیا
 جاہ کسنت قوم کی گو تجھ میں کچھ باقی نہ بھٹی
 پر نہ کی عرض ہنرمین تو نے اب بھی کوتاہی
 اس بزرگی سے گذاری تیرھویں تو نے صدی
 پھر گئی آنکھوں میں پھر تصویر دور اکبری
 علم دین شریعت طلب تاریخ و نجوم
 ڈال دی پھر اپنی تھنے چار سو ہر فن مہموم
 ملک میں ہر سودھی پھر بول بالا تھا ترا
 تھا جہان علم و ہنر کو دون کا بالا تھا ترا
 تھی جہان کچھ روشنی وہ سب اجالا تھا ترا
 پھر جو دیکھا غور سے وہ اک سنبھالا تھا ترا
 چاند نکلا تھا کہن سے جو وہ پھر گنا گیا

چاروں کی چاندنی تھی پھر اندھیرا چھا گیا
 علم والے علم کے دریا بہا کر چل دیے
 واعظان قوم سرتون کو جگا کر چل دیے
 کچھ سخنور تھے کہ سحر اپنا دکھا کر چل دیے
 کچھ میساج تھے کہ مردوں کو جلا کر چل دیے
 ایک تختہ رہ گیا تھا تیری ٹوٹی ناؤ کا
 لے گئی سیل فنا اس کو بھی لے لی بہا
 جا چکی تھی تجھ سے گوئے شہر غفلت قوم کی
 ہو چکی تھی آبر و مت سے رخصت قوم کی
 پر کچھ اک محمود خان قوم سے تھی بہت قوم کی
 اٹھ گیا وہ بھی جہان سے آہ قسمت قوم کی
 کیا دکھا کر اب دلائیگا سلف کو یا تو
 ناز اب کس پر کرے گا اسے جہان آباد تو
 تجھ میں ہر دلی! کوئی اب ایسا بقول جہان؟
 نازش دار خلافت مرجع ہندوستان
 ہند سے لے تا عرب کشمیر سے تا اندمان
 بچہ بچہ کی زبان پر نام ہے جسکا روان
 نیم جانوں کا میساج اور غریب کا طبیب
 خود حکیموں کا معالج اور طبیبوں کا طبیب
 ہے کوئی اب تجھ میں مہر ایسا کیسا نثر دان؟
 واقعات زندگی کر دیجئے گراؤں کے بیان
 سمجھیں اک افسانہ ناواقف اسوار داستان
 ہے تعجب خیر الحی سیرت محمود خان
 یا وہ اک جو ہر لگتے تھا جو ہر انسان سے
 یا نکلتے انہیں ایسے جو ہر کان سے
 اس کا تھا دیوان خانہ ملک کا وارا شفا
 خلق کا ذریت رہتا تھا جہان تانا بانہا
 شفقت بیماروں کو اُسکے در سے ملتی تھی دوا
 فکر نذرانہ کا تھا اُن کو نہ شکرانہ کا تھا
 اُس کے استغنائے جھکاتا تھا سرِ غور کا
 اور عنایت سے کنول جاتا تھا گلِ مزدور کا

بے حقیقت اُس نے سمجھا مال دولت کو سدا تھے برابر اُسکے نزدیک اغنیا اور بیوا
گو طبیب اور ڈاکٹر تھے شہر میں بے انتہا کوئی مفلس کا نہ تھا پرسانِ حال اُسکے سوا

کرتے ہیں جو دعویٰ ہمدردی نوع بشر

اُس نے باطل کر دیے تھے انکے دعوے سرسبز

طبِ سلسلہ کی لی اس کی سچائی نے تھام وراثت اُسکی تُرکی ہو چکی ہوتی تمام

روقتِ طبِ جدید اور اس پے سبیلِ خاصِ عام درگاہوں اور دیوانخانوں کا اُسکے انتظام

دیکھ کر تھا اک زمانہ اُسکی خوبی کا مقرر

طبِ یونانی گئی تھی خلق کی نظروں سے گر

سرِ جنوں کے دیکھ دیکھ آلات و اعمالِ وحیل آگیا تھا رے میں نہ وہ عقادوں کی خلل

دینِ بگڑا اُسکی سچائی نے سب ایں بدل طبِ یونانی گئی کچھ دن کو پھر گر کر سب بھل

سلطنت اور عقل تھی جس فوج کی بہت قرا

ایک طاقت اُسکے حلوں سے ہوئی عہدِ نرا

گو کہ جاتے تھے شفا خانوں میں خاصِ عام سب پر لکھ جاتے تھے سخت امراض میں بیمار جب

خلق کا پھر ملجا و ماویٰ اُسی کا تھا مطب اُسکے بیماروں کو گویا یوں یوں اُجاں لب

سو تدبیر و معالج کی خطا کا ڈر نہ تھا

موت کا ڈر تھا مگر نہ تھا

رکھتے ہیں آلات پر سرِ جن بھروسہ جس قدر کرتے ہیں معلوم جو جوان سے امراضِ شر

وہ بتا دیتا تھا سب کچھ رکھ کے انگلی نصیب اُسکی اک انگلی پہ تھے قربان سو تھر ما مٹر

نارِ اختیارِ حق زمینِ اہل صنعت کی جہاں

جاہو پختی تھی نگاہِ دور میں اُسکی زبان

شہر کے سب بزرگ پر و جوان خرد و کلان تھے قومی پشت اُس سے ایسے جیسے پشتِ سحر کان

جسکو نسخہ دیدیا لکھ کر وہ یہ سمجھا کہ ہاں زندگانی کے ابھی کچھ اور دن باقی ہیں یاں
 گو کہ ماتم ملک میں ہو اُسکا ہر سو بھل
 پر گئی لے شہر تیری جان ہی گویا بھل
 کیا عجب پیدا ہوں پھر ایسے غلیب چارہ گر جو کہ شخصِ مرض میں رکھتے ہوں غائرِ نظر
 خلق کو نیکم ہو چن کی راسے اور تہِ بے پر شہر میں جن مرجع کل ملک میں ہوں نامور
 جمع ہوں محمود خان کے ذات میں اپنا کمال
 ہے یہ سب ممکن مگر محمود خان ملنا محال
 راستی اور راستبازی اسکی تھی ضرب المثل اُسکے کاموں میں ریا تھی اور نہ باتوں میں غل
 امتحان کے وقت جب تھا نظمِ عالم میں غل راست بادوں کی گئی تھی ٹھیک جبے سو بھل
 کھوٹ سے اُس نچ میں نکلا وہ خالص سطح
 آگ میں تپ کر کھرا ہوتا ہو کندنِ جسطح
 وہ زمانہ جبکہ تھا ولی میں اک محشرِ بیا نفسی نفسی کا تھا جب چاروں طرف غل پڑ رہا
 اپنے اپنے حال میں چھوٹا بڑا تھا مبتلا باپ سے فرزند اور بھائی سے بھائی تھا جُلا
 موجزن تھا جبکہ دریا وختابہ و بجلال
 باغیوں کے ظلم کا دنیا پہ نازل تھا وبال
 دیکھ کر یا ہوں کو جب آنکھیں جڑا جاتے تھے یار ساتھ دینا تھا کسی کا موسکے ہونا دو چار
 یار سے یار آشنا سے آشنا تھے شرِ سار شہر میں تھی چار سو گویا قیامت آشکار
 آگ تھی اک مشتعل ایسی کہ تھا جس خط
 جل جائیں اُسکے شعلے سو کیسب خشک تر
 ہو رہا تھا جبکہ کھوٹے اور کھڑے کا امتحان کر رہا تھا اپنے جو ہر خاک کا چٹلا عیان
 ایک جانب تھی اگر خندق توں ایک جانب کنون بال سے باریک تر تھی راہ ان کے درمیان

راہروں کو گد امین تھے اور راہ پر خونِ خطر
 اُسے دکھلایا کہ یوں چلتے ہیں سیدھی راہ پر
 مجرم و بے جرم میں تھا حاکمون کو اشتباہ
 مجرموں کے مجرم پر دیوار و در تھے سب گواہ
 ایسے نازک وقت میں دماغی جوانی نہ
 اہل انصاف اسکو بھوکے پیٹ پر لینگے کبھی
 بالیقین جن مجرموں کو اُس نے سمجھا بے خطا
 مارشل لائن ٹوٹ ان کی گواہی کا دیا
 چین سے بیٹھا نہ جھٹک ہو گیا اک اک رہا
 جو کہ تھے نادار کی ان کی اعانت بر ملا
 زردیا کھانا دیا کسپ ٹرا دیا بستر دیا
 بے ٹھکانوں کو ٹھکانا بے گھر لوگوں کو گھر دیا
 قصے جھگڑدن میں کبھی ٹپنکی جبکی خون نہ تھی
 دی گواہی جسے ہرگز جھوٹی یا سچی نہ تھی
 جسے مشورے کی عدالت کی کبھی نہ تھی
 ہاتھ سے جسے پڑدن کی ان انکے ہی نہ تھی
 بگناہوں کیلئے وہ بات ان چکر میں تھا
 پاؤں اس کی عدالت میں تھا اور اک گھر میں تھا
 جبکہ غم تھا دیانت بین ابنا، الزمان
 تھی امانت جسکی اسکے پاس ملکی یا گران
 خون میں پاس اپنے رکھا اسکو مثلِ باسان
 کی حوالے مالکون کے جب ہوا امن و امان
 ایک عالم ناخدا ترسی میں جب بیباک تھا
 اُسکا دامن تھا کہ ہر دھبے سے بالکل پاک تھا
 وضع داری میں تھا اُس کا زمانہ میں بدل
 وضع میں اسکی تعمیر تھا نہ عادت میں خلل
 وقت کی تاثیر کا سپر نہ چلتا بہت اعلیٰ
 انقلاب دھڑکی زوے گیا تھا وہ مکمل
 اسکے آگے ان نئے سانکوں کی کچھ ہستی تھی

اُس پہ چلتی کچھ زمانہ کی زیرِ دستی تھی
 کی تھی جو بچپن سے طرزِ زندگی اختیار
 اُس میں فرق آیا نہ وقتِ دسپین تک نہ ہمار
 کوہِ ماسخ کی طرح تھا ایک حالت پر قرار
 وضع اُسکی جو کہ تھی وضعِ سلت کی یادگار
 قوم کے از یاد رفتہ خواب کی تعبیر تھی
 عہدِ عالمگیرِ اکبر شاہ کی تصویر تھی
 سر پہ دُنیا کے علایق کا تھا گوارا گران
 پر ہر اک حالت میں ہلکی پھول سی ہتی تھی جان
 پاگل دنیا میں پر دنیا کے غم سے بر کران
 رنج ہو یا ہو خوشی جب جا کے دیکھو شادان
 ظاہرِ اربابِ بند تھا دنیا کی رسمِ دراہ کا
 دل گر پاپا تھا ایسا جیسا اہلِ اسد کا
 منقبض اُسکو نہ کمزوریات میں پایا کبھی
 غم سے دنیا کے نہ پیشانی پہ بل لایا کبھی
 دل کسی بادِ مخالفت سے نہ کھلایا کبھی
 تلخی دوران سے چتون پر نہ میل آیا کبھی
 کی بسرِ دارِ الحن میں بزمِ عشرت کی طرح
 عمر کا فنی دونوں دنیا میں جنت کی طرح
 مٹ گئی افسوس اک ایسی سلت کی یادگار
 قوم میں جسکی مثال آئندہ کم دیکھیں گے یاد
 گل کھلائے گی نئے گلشن میں اب بادِ بہار
 رنگ ہو گا جنینِ لیکن بوہوگی زینہار
 کرتے ہیں جہانِ حوادث کی نظرِ انجام پر
 قوم میں اک ہم کو سنا اُسا آتا ہے نظر
 اک زمانہ تھا کہ تھا ہم سے موافقِ روزگار
 اہلِ علم و فضل و دانش کا نہ تھا ہم میں شمار
 ایسے حاملِ خیر دنیا میں نہ ہو گئے کشتِ زار
 جیسے مردمِ خیر تھے اسلام کے شہرِ و دیار
 مرنا تھا کامل تو کامل تر نظر آتا تھا
 سوچ آتا تھا مکمل جب پڑھ چکا تھا جان

یا یہ اب پہنچی ہر ہم میں نوبت فقط الرجال
 ایک لکھ جاتا ہے دُنیا سے اگر صاحبِ کمال
 دوسری یعنی نہیں دنیا میں پھر اسکی مثال
 ذات باری کی طرح گویا کہ تھا وہ بیہال
 ظاہر اب وقت آخر ہے ہماری قوم کا
 مرثیہ ہے ایک اب نوحہ ساری قوم کا
 سنتے ہیں حالی سخن میں مٹی بہت سوت بھی
 یقین بخون کے لیے چاروں طرف اہل کھلی
 داستان کوئی بیان کرتا تھا حسنِ معشوق کی
 اور تصویف کا سخن میں رنگ بھرتا کوئی
 گاہ غزلین لکھ کے دل بے لگا کر لے تھے لوگ
 کہ قصیدہ پڑھ کے خلعت اور صلی پاتے تھے لوگ
 پر ملی ہم کو مجالِ نغمہ اس مغل میں کم
 راگنی نے وقت کی لینے وہاں ہم کو نہ دم
 نالہ و سرایہ کا ٹوٹا کہیں جا کر نہ سم
 کوئی یانِ رنگین ترانہ بھیرنے پائے نہ ہم
 سینہ کو بی میں رہے جب تک تم میں دم
 ہم ہے اور قوم کے اقبال کا ماتم رہا

۱۵۔ ترکیب بند مرتبہ ۱۸۹۲ء مطابق ۱۳۱۱ھ

جو محطِ انجمن کیشل کا نفرنس کے ساتوین اجلاس میں مقامِ دہلی پڑھا گیا

یہ خاک آج جس پر ہیں جمع اہل آرا
 یان ہو چکے کرشمے کیا کیا ہیں آشکارا
 اس باغ میں بہارین جو جو گزر چکی ہیں
 آنکھوں کے روبرو ہے گویا سماں وہ سارا
 کل جشنِ فتح تھا یان ہر آج جشنِ شادی
 ہر دم عروج پر ہے اسلام کا شارا
 بلبن کے آج مہمانِ خاقان ہیں اور ملایین
 اصغر ہے کہ دلی بلبن ہے یا کہ دارا
 فیروزش کی ہے کل ٹھٹھے سے آمد آمد
 دوٹھاتا ہوا ہے تزیین سے شہر سارا
 تغلق کا آج شکرِ تیمور کے مقابل
 بہرِ مدافعت ہی میدان میں صفت آرا

مغلون کے اُڑ رہے ہیں کل جشن فتح و نصرت
آتا ہے آج بابر لودی پر نستح پاکر
کل سوربون میں ہر سونجے ہیں شادمانے
ہو جشن نستح پھر آج چغتایوں میں بر پا
جس مہوم سے ہو گھر گھر جشن جلوس اکبر
شاہ جہان خوشی سے بھولا نہیں ساتا
نیاری اس خوشی میں جشن عظیم کی ہے
اطراف ہند سے ہیں اعیان ملک لائے
ارکان سلطنت ہیں سب اپنے تخت حاضر
تیمور سے زمانہ ہے بر سر مدار
ہیں شوق شاہ نو میں پیرو جوان خود آرا
مغلون کا آ رہا ہے گردش میں کچھ ستارا
اقبال نے ہے گویا مغلون سے قول ہوا
ہے گرد اسکے آگے جشن قباد و دارا
تعمیر ہو چکے ہیں شہر و فصیل دبارہ
گویا کہ ہے جہان میں جشن سہہ دوبارا
پاکر حضور شہ سے سب جشن کا اشارا
بالائے تخت طاؤس ہے شاہ جلوہ آرا

وہ جشن کرنوالے کو خاک میں بنان ہیں
چشمن انکے اب تک سب نے بل شان ہیں

اے خاک پاک دہلی اے شگاہ شاہان
ہر نگاہ اس میں پرلاکھوں ہیں گرم ہر سو
تقریب جشن جہیں ہو کچھ نہ جزا غوت
پائین و صدر کا ہو جہیں نہ کچھ تفاوت
جن کو تہو بلادا حاکم کا اور نہ مسترغن
خادم ہوں جب بعد روان مخدوم تو کم ہوں
خاطر کسی سے چاہے کوئی نہ وان آشفع
عظمائین جسکو چاہیں وہ آپ میر جنس
پیش نظر ہیں تیرے سب اگلے ساز و سامان
ہر کوئی جشن قومی آتا نہیں نظر یان
ملکوں سے جمع آکر جہیں ہوئے ہوں اخوان
خز و بزرگ کی ہو جہیں نشست یکسان
لایا ہو کھینچی دل ان کو نہ حکم سلطان
مخدوم جتنے ہوں ان سب قلم پر ہوں قربان
ہوں خود ہی میر بان وہ اور خود ہی کوئی مہمان
چاہیں جنہیں بنائیں وہ آپ میر سامان

۱۔ سہہ آگ کو کہتے ہیں جشن سہہ وہ جشن ہر جگہ نسبت کما جاتا ہو کہ دنیا میں سب کے اول جمشید نے پھر میں
آگ بجھنے کی خوشی میں بڑی دھوم سے ایران میں کیا تھا ۱۲

آئے ہوں اترش سے سب لکھنا کہ چین
ہندوستان میں کیونکر پاتی رہے نشانی
نکلین تو کیونکہ نکلین ذلت سے وہ گلے
اُن مددوں کا کیونکر جاری رہے افاضہ
جو مسجد میں ہیں ہر سفرِ خدا سے واحد
جو کچھ ہے بھائیوں کی تقدیر میں وہ سر پہ
اُسے شہ نشین اسلام اے معدنِ سلاطین

تو جشن گاہ شاہان ہر عہد میں رہا ہر

ایسا بھی جشن کوئی تھو میں کبھی ہونے

شوکت میں وہ بڑے تھے عظمت میں یہ بڑا ہے
کاغذ کی تھیں وہ نادین بڑا یہ نوح کا ہے
موجِ سراب تھے وہ یہ چشمہ لبثا ہے
رہتا ہے آندھیوں میں روشن یہ دیا ہے
اب قوم کو خدا کا یا اپنا آسرا ہے
یہ چھت نہ سمجھو سر پر سایہ ہلکا ہے
لگتا ہے کچھ تو اس کا لگتا ہیں پتلا ہے
جن مشکون کا ہم کو اور تم کو سا منہ ہے
معدور ہیں وہ اُن سے شکوہ نہ کچھ گلا ہے
حملہ ملک پہ اپنی اپنوں نے خود کیا ہے
انسان سے یہ ہمیشہ ہوتی رہی خطا ہے
اب تک ضرورتوں نے مضطر نہیں کیا ہے

شاہوں کے جشن تھے وہ یہ جشن قوم کا ہے
دولت کے تھے وہ جلوے ملت کا ہو نقشہ
بے روح تھے وہ قالب ہو سین روح خوشی
سیلے نہ وہ بچھڑتے روح اُن میں گرہ ہوتی
وہ دن گئے کہ نازان تھی قوم سلطنت پر
بس سلطنت ہی ہے بل بیٹھنا ہمارا
گم گشتہ بخت جسکو بچھڑتے ہیں ٹھونڈتے ہم
وہ مشکلیں کر رہیں گے اب حل ہیں تھیں کچھ
ہم میں اگر مخالفت کچھ ہوں اس انجمن کے
فوج ملک کو اکثر سمجھا ہے فوج دشمن
نام ہوئے ہیں لیکن روشن ہوا ہو جب دن
قدر ایسی مجلسوں کی مدت میں ہوگی ہم کو

ہوتی ہو قدر ان کی بنتی ہو جان پر جب لاتے ہیں تب یہ ناوین جب پڑا دوتا ہو
گوسب جہاز والے خطرے سے بچ رہیں پر رنگ ناخدا کا کچھ فتنی سا ہو رہا ہے
آفات بحر سے ہیں ناواقف آشنا سب
ہنستے ہیں ناخدا پر روتا ہو ناخدا جب

گلشن میں فصل گل کے سب چکے نشان ہیں پر چین سے عنادل گلشن میں نغمہ خوان ہیں
طاؤس کی بکبک شخ خوش گلشن میں پر خیاں ہیں اور بیٹھے ہاتھ کلتے گلچین و باغبان ہیں
غفلت کی چھارہی ہو کچھ قوم پر گھٹا سہی بے فکر و بے خبر ہیں بوڑھے ہیں با جوان ہیں
اتراتے ہیں سلف پر اور آپ ناخدا ہیں رستہ کہ دھر ہو ان کا اور جا رہے کہاں ہیں
فضل کمال ان کے کچھ میں ہوتا جانین گر یہ نہیں تو بابا وہ سب کہانیاں ہیں
کھیتوں کوئے لو پانی اب بہ رہی ہو گنگا کچھ کر لو جو انواٹھتی جوانیاں ہیں
تم سے تھے تو تھا معززت کو قوم کی کچھ اپنے تو قافے سب پاد رکابیاں ہیں
اک خضرہ نے رستہ سبھا بتا دیا ہے رستے پہ دکھیں چلتے اب کتنے کاڑیاں ہیں
خدمت میں ان کی حالی کتنا ہو یاد ہے اس وقت رونق افزایاں بنے مہراں ہیں
دنیا میں گرہے رہتا تو آپ کو سنبھا لو ورنہ بگڑنے کے یاں آثار سپہ سالار ہیں
عرصہ ہوا کہ ہم کو آنکھیں نہ کھا رہے ہیں قدرت کے قاعدہ جو دنیا پہ حکم لگاتے ہیں
جو اپنے ضعف کا کچھ کرتیں نہیں ہمارے تو میں وہ چند روزہ دنیا میں یہاں ہیں
گھر پیال اور مگر مجھ میں ان کو سنگے جاتے دریا میں مچھلیاں جو کمزور راتوں میں ہیں
سنبھلو ورنہ نہنایاں اس طرح پڑے گا بیل اور گوند جیسے گنم بے نشان ہیں

غفلت میں سپاوا اب وز بہ دکھائیں
ضعف سے کچھ نشان ہیں ہم کو کجا ہیں

اشعار متفرقہ

انہیں اکثر وہ اشعار ہیں جو لوگوں کی فرمائش سے خاص خاص مقول پر اردو یا فارسی وغیرہ میں لکھے گئے ہیں
تہیہ قلعہ شادی عروسی

شکر ہے کہ کون سی نعمت کا خالق کی ادا
اسکی قدرت کے خزانوں میں نہیں ہر گز کمی
نخل تر کو پھل دیا اور پھل کو بخشا رنگ بو
اکھیتیوں کو بیج دیا مان باپ کو اولاد دی
عمر روز افزوں عطا فرمائی پھر اولاد کو
آؤ اس کے شکر یہ میں ملے باہم شاد ہوں
ایک ہے ایک نعمت اسکی بندوں پر سوا
جس نے جو مانگا وہی اس نے مہیا کر دیا
سیپ کو موتی دیا موتی کو دی آب اور ضیا
اس دی دنیا کو رونق اس آکھوں کو جلا
کل چھٹی تھی جنکی ہر دن آج انکے بیاہ کا
تا کہ صورت سے ہو ظاہر شکر انعام خدا
ایضاً

چھٹی بیاہ با تیج تہوار ہو
گل دلا لہ ہویا ہو عطر و گلاب
یہ ساری خوشی کے ہیں امان جب
بزرگوں سے محفل کی شوکت بڑھو
لب آب یا صحن گلزار ہو
سے و نعمت ہو یا ہو چنگ رباب
کہ ہوں ایک جا جمع احباب سب
عزیز اور پیاروں سے عزت بڑھو
ہیں اس بزم پر لاکھ گلشن نثار
جہان سطح جمع ہوں چار یار

ایضاً

شکر کہ از فضل خدایہ جان وقت خوش از پرده برآمد عیان
شادی دل را سبب آمد بدست فرصت بزم طرب آمد بدست
تا شود از دست دم اہل کرم کلبہ ما غیرت باغ ارم

ایضاً

رفت آسیب زستان باد فوری وزید دہشت یاران را بشارت باد و یاران را نوید
طرح بزم حُسنی باہد گر باید نہاد نفسہ شکر الکی و سبدم باید کشید

ایضاً

سَلَامٌ مِّنْ حُبِّ مُسْتَكِينٍ يَلِيهِ الْخَيْرُ وَالْبَرَكَاتُ تَدْرِي
سَلَامٌ مِّنْ دُفْرِ رِيحٍ نَّارِ احٍ وَبَيْنَ يَدَيْهِ الْإِحْبَابُ بُشْرِي
وَدَعُوهُ شَاهِدِينَ وَغَائِبِينَ مِنَ الْإِخْوَانِ وَالْخَالَاتِ طُرُي

خاتمہ رقصہ شادی

فَاطِمَةُ الْعَيْنِ فِي الدُّنْيَا رَاكِبَةٌ رَحِيْنَةٌ يَا رَاَتِ الْأَحْبَابِ

ایضاً

ہزار دیدہ و دل فرس راہ یارانے کہ از سرت یاران سرت اند و زند
بہ شادی و طرب ہمہ گر شوند انبار ہزار رُخ ز سرفروغ دلے برافروزند

ایضاً

کار احباب ساختن بتوان دوستان را نواختن بتوان
تا بہد صرا بہد و باد خواہد ماند از شما لطف یا دخواہد ماند

اشعار غزل ناتمام

اس زندگی کے ہاتھوں چین ایک نیا پایا یہ جان ہجر بن مین یا خار پیہن مین

حاضر ہو جب دل ہی ہو باغِ دلغیاں
ہم سو ستو گئے بھی۔ تو کیا گئے چین میں
ہے اک خراشِ دل میں رہ ہو کہ بھرنے آئے
زخمی ہو قیروان میں اور شکستِ غنیمت میں
تو اپنے بھولے پن سے شیدا ہوئی ہو ورنہ
اے فاختہ دھسیر ہے کیا سُر و نازن میں

ایضاً

کس نہ دریا رو ہوا ہوا انقلاب
آگیا یاروں کے اقراروں میں فرق
خود بتائے گئے تھیں دورِ زمان
بے وفاؤں اور وفاداروں میں فرق
ان پر ہم قربان ہیں وہ ہم پر نثار
ہو بہت پیار نہیں یاروں میں فرق

ایضاً

گر نہویت گدا میں مشرق
آے کیوں شاہ کی عطا میں فرق
میں دستِ دادر اور بھی۔ لیکن
سے مری جان و فادہ میں فرق

اشعارِ قصیدِ نامتِ ام

یاد ایام کہ تھی باغِ جوانی پر بہار
نظر آتا تھا خزان میں بھی زمانہ گلزار
نشہ میں چور تھے اک بادہ پر زور کے ہم
جس کا راحت میں کلفت میں اتنا تھا اُٹھا
سر پہ دیو قوی آ کے چڑھا تھا اپنے
یاد تھا جکانہ عامل نہ سیانے کو آنا
روکنا تھا جیسے غار نہ خندقِ کنواں
ہم تھے اُس تو سن سر زورِ پل باتِ عمار
رہتے تھے اس شرمست کی صورتِ بقیہ
پنا گوہر تھے تھے کہ زیادہ دل سوز
خیر خواہ اور تھے غمخوار مرنی سجنے
لکے محو لیونِ جان میں جان آتی تھی
انکلی صحبت تھے اتنے ہی زیادہ بیزار
اب انگین ہیں وہ دلیں خنکین باقی
ان کی صورتِ ہمیشہ میں چڑھتا تھا بخار
بننے اور بننے پر زیست کا تھا اپنی مار
تیرے اے عمر گئے اب کمان لیل و نہار

صدائے گدایان قوم

ڈھونڈتے خضر مبارک کے گویان آئے ہیں ہم چھوڑ کر گھٹکا ہوا اک کاروان آئے ہیں ہم
 ڈھیر جو خوشدل ہیں ہنسنے والے ہر مرد دل سخت عبرت خیر لیکر داستان آئے ہیں ہم
 ہندوین اسلام کا پھولا پھلا تھا جو چین لیکے اُس کا مردہ فصل خزان آئے ہیں ہم
 علم جو زندہ کیا تھا آپ کے اجداد نے آج اُس درپاسی کے نوہ خان آئے ہیں ہم
 قوم کھوٹی تھی ہے جو عباسیوں کی یادگار جب توہین اُسکی شعل لے کے یان آئے ہیں ہم
 تاکہ ہو معلوم سب کو قوم کی حالت ہو گیا اسلئے ڈالے گئے مین بھولیاں آئے ہیں ہم
 خود عرض پھر لہین یا مٹا کر یہ کویا گدا دلتین یہ کہے سب خاطر نشان آئے ہیں ہم
 خرسب بجا ہیں اُن کے قوم پر جنگی ذلیل ضرورت کے مٹا کر سب نشان آئے ہیں ہم
 ہر نبی ہا ستم کی مہمان پروری ضربِ انشل اس لیے بان بن بلبلے یہ مہمان آئے ہیں ہم
 تشنگی اپنی بھجانی ہوگی اے اب حیات لیکے ننھدین قوم کی سوکھی زبان آئے ہیں ہم

مردہ قدم حضور شاہزادہ ولیز درہند

مردہ ہوا اہل مشرق اب دن پھر بڑھائے مغرب سے سوے مشرق آیا ہے مہربان
 گلہ کی اپنے لیے آیا خبر کہاں سے ہے ایسے گلہ بان پر گلہ کی جان قربان
 ہندوستان بھی تجھ سے کچھ آجکل نہیں کم اسے معدن بزرگی اے خاک انگلستان
 تیرے نصیب کا تو کیا پوچھنا ہے لیکن ہندی بھی ان لون ہیں قیمت پر اپنی نازان
 مہمان ہر آج اُن کا اس شاہ کا دلی عہد رہے زمین کے سلطان جسکے ہوئے مہمان

۱۔ پنجاب کی ایک اسلامی انجمن کی طرف سے چند لوگوں نے جھوٹا اپنی جماعت کا نام گدایان قوم رکھا ہو یہ سچا درپہلو
 میں چندہ وصول کر کے لیے جائے ارادہ کیا تھا۔ اُن کا تصدیق کے ضمیمہ میں اشارہ پڑھنے کا تھا۔ لیکن غائب ہو گیا جانا نہیں ہوا۔ ۱۱۔

۲۔ چونکہ رئیس بھادپور رنجی عباس ہیں اور عباسیوں کی خلافت میں علم کو بہت ترقی ہوئی تھی اس لیے یہ مصنف اس طرح ہلکا گیا ہے۔

شکر یہ عطاے مدرسہ نواب غازی الدین خان مرحوم واقع اجیری واڑہ
دہلی حضور شمس لائل لفٹنٹ گورنر بہار و پنجاب از طرف طلباء
انگلکو عربی اسکول دہلی

آئیے اے ولی کے دل آرا شہر دعا گو سب ہے تمھارا
شکر کا ہم کو گو نہیں یارا پر یہ ہے کہنا فرض ہمارا
جب تک شہر آباد رہے گا

نام تمھارا یاد رہے گا
ہے دلی کے فخر کا یہ دن شہرین آبا شہر کا حسن
وصف تمھارا گو نہیں ممکن رہ نہیں سکتے پر یہ کہے بن
جب تک شہر آباد رہے گا

نام تمھارا یاد رہے گا
آپے ہم پر بھیجے ہیں اسر کیسے رعیت پر دور
جن سے ہو ہندستان بنوہ خزانہ انگلستان کو جن پر
جب تک شہر آباد رہے گا

نام تمھارا یاد رہے گا
آر کا لاک احسان کا پتلا آدمی کی صورت میں فرشتہ
تمھاری بفضل خدا کا تم نے جو دلی میں اسے بھیجا

۱۔ چونکہ یہ نظم صنف سبغ البیہون کے لیے لکھی گئی تھی تاکہ وہ ہر ماہ کے روز جمعہ ہو کر بطور کورس گانے کی گئی ہو
اس لیے چونکہ اس کی توجہ کے موافق نہایت سیر سامنے الفاظ جمع کر دیے گئے ہیں ۱۲۔

جب تک شہر آباد رہے گا

نام بھٹارا یاد رہے گا

آب دہوا سے شہر کی ساری آبی تھی خلقت جان سے عاری
تم نے لگا کر نل اک باری چشمہ حیوان کر دیا جاری

جب تک شہر آباد رہے گا

نام بھٹارا یاد رہے گا

یون تو بہن سب احسان سلم سب سے یہ لعمان مقدم
تھے تعلیم میں کم سب سے ہم تم نے مدد کی اپنی پیسہ

جب تک شہر آباد رہے گا

نام بھٹارا یاد رہے گا

جو بلی کے جو خاص و ظیفے پانچ برس کو ہنکولے تھے
لطف سے سعادۂ ان کی ٹھکانے جیت لیے دل آپ کے ہنسے

جب تک شہر آباد رہے گا

نام بھٹارا یاد رہے گا

مدرسہ تھا بے پھوڑ ہمارا تھا ذکیرین ملنے کا سہارا
مانگے مانگے پر تھا گزارا رست گیا اب غلیان یہ سنارا

جب تک شہر آباد رہے گا

نام بھٹارا یاد رہے گا

آپ کو ہم پر رسم جو آیا گھر عیسا ہم کو منرایا
حکم مرست کا بھجوا یا ٹوٹے پھوٹے کو بنوایا

جب تک شہر آباد رہے گا نام بھٹارا یاد رہے گا

درس کے کمر و حسین ہیں اکثر
قدر ضرورت سے کچھ بڑھکر
بوڈ روں کے رہنے کو ہیں گھر
کھیلنے کو میدان ہر سراسر
جب تک شہر آباد رہے گا

نام تھا رایا در ہے گا
شہر میں جا کالج کو عطا کی
کین اصلاحیں آپ ہوا کی
شہر کی جو حاجت تھی دوا کی
شرط حکومت تم نے ادا کی
جب تک شہر آباد رہیگا

نام تھا رایا در ہے گا
تم میں ہیں جو جو فضائل
وہ نہیں کچھ محتاج دلائل
لوگ سب ان کے دل سے ہیں قائل
اداسر لائل - اداسر لائل
جب تک شہر آباد رہیگا

نام تھا رایا در ہے گا
اشعار مرحیہ

بھٹو ٹرسٹیں انٹر ٹیرک لفٹنگ گونہ ہادر پنجاب - انبالہ کے ایک بانی مدرسہ کی طر سے

قیصر ہند کے ہیں سیکڑ دن احسان جہان
اس کا پنجاب پہ ہر سب سے بڑا جہان
حکمران آئے ہیں پنجاب میں اب تک جتنے
ایک سے ایک کا پلہ ہر عدالت میں گران
جبکہ سر چارلس نے پنجاب کو چھوڑا - اس دم
وقت بخت تھا ہر اک انکو چست نگران
حال جو ہوتا ہو بچوں کا کچھ کران سے
یہی احوال تھا پنجاب کے بے وہم و گمان
جانشین ان کے ہوئے آج جب سر لائل
عہد سابق کو گئے بھول سب اپنے زمان
شکر سے عہدہ براؤں کے نہیں ہو سکتے
رحم انصاف ہوا ذات سے جو انکی عیان
اٹھ گیا سر سے جب اس ملک کے سایان کا
ہاتھ میں آپ نے لی آئے حکومت کی عنان

کار فرما تھے جب ضلع میں پنجاب کے آپ
حیدر آباد میں۔ میویر میں۔ کلکتہ میں
ہے یہ اب آپ سے امید کہ پنجاب میں بھی
بعد سر لائل سر چارلس کے سر ڈشیں بھی

معدلت آپ کی اس وقت سے مشہور ہو یا ان
نیک نامی کے کیے کام۔ رہے آپ جہاں
مشکلین آپ سے سب ملک کی ہونگی آسان
چھوڑ جائیں گے ہر اک لپہ عقیدت کے نشان

انگریزی اشعار کا ترجمہ

وہ دل رُبا اسیدین جن پر کتبہ شیدا
وہ عالم جوانی جس پر کہ تو ہے مفتون
جن دوستوں کی خاطر چھوڑا ہو تو نے پہلو
چل دیں گے جب وہ سائے۔ اُن لیلوں کی مانند
جب ہو چکے گا آخر یہ عیش کا زمانہ
بے مہر یوں سے تو نے جس کو کیا ہو غمگین
جسطح وہ پرندہ جو فصل گل میں جا کر

جب دور تیرے دل سے ہو جائیگی سراپا
جائے گا ٹوٹ جسم اس کا طلسم سارا
بھا جو کہ تج کو اپنا آرام دل سمجھتا
بعد از ہمارے جوئخ کر تین نہیں چمن کا
کون آنکے دے گا تج کو اسکے واسطہ
تیری خبر وہی کچھ لے گا تو آنکے لے گا
پھر موسم خزان میں آکر ہے ہم سے ملتا

دولت اور وقت کا مناظرہ

ایک دن وقت دولت سے کہا
تو ہے سرمایہ عزت یا مین
ہے زمانہ میں بڑی بات تری
وقت سے ہنسکے یہ دولت نے کہا
ہے عجب۔ جس کو خدائی مانے
سہرے گلشن دنیا مجھ سے

سچ بتا تجھ میں ہے وقت کیا
تو ہے انسان کی دولت یا مین
دیکھیں ہم بھی تو کرات تری
تج کو لے وقت نہیں عقل ذرا
اس کی تو خوبیوں میں شک جانے
لےتے ہیں تو شہ عجب مجھ سے

نام اقبال ہے آئے کامرے
مجھ سے پاتے ہیں ہنر تشوہ
لاکھ رکھتا ہو کوئی فضل و کمال
خوبیاں لاکھ کسی میں ہوں مگر
چند روز آگئی میں جس کے کام
جس سے مجھ کو نہ سروکار رہا
مٹھ ذرا جب کو لگا لیتی ہوں
چاہتے ہیں مجھے سب خرد و کلان
گر نہ ہوں میں تو کوئی کام نہ ہو
کوئی حاجت نہ دنیا کی روا
ہیں رکھائی سے مری سب لرزان
جس سے دنیا میں نہ میں راہ کروں
الغرض ہے وہ مری شان عظیم
جرٹ بٹھتے ہیں خوشی کی مجھ کو
تو بنا فخر ہو تجھ میں وہ کیا
وقت نے سن کے کہا اور ولایت
ساری تو خوبیوں کی جڑ ہے مگر
تو جو اپنے پہ ہے نازان اتنی
کیجیے نصرت تجھے گر چشمہ
میں ہوں یا تو ہے اساس امکان
تو جو کھیتی ہے نور قبہ میں ہوں

لقب ادب بار ہے جانے کامرے
علم بھی ایک طفیلی ہے مرا
لاکھ رکھتا ہو کوئی حسن و جمال
میں نہ ہوں۔ تو نہیں کچھ مست و شہر
زندہ تا حشر رہا اس کا نام
وہ سدا خوار و نگوں سار رہا
اُس کی میں شان بڑھا دیتی ہوں
بھرتے ہیں دھن میں مری پر جو ان
کسی آعناز کا احباب نہ ہو
درمیان گرنہ قدم ہو نیل
میرے اغراض سے ڈرتا ہے جان
ہو اگر شیر نور و باہ کروں
کرتے آئے ہیں جسے سب تسلیم
میری عظمت نہیں باور تجھ کو
جس نے مجھ سے تجھے گمراہ کیا
شک نہیں بس میں ذلک و ولت
اپنی جڑ کی نہیں کچھ تجھ کو خبر
اپنی ہستی سے ہے غافل کتنی
تو ہوں اُس چشمہ کا میں حشر چشمہ
پہلے دریا ہے کہ مچھلی نادان
تو جو موتی ہے تو دریا میں ہوں

ہے قراہ ترا اگر عطر آگین
 ہے عیث تجھ کو تفوق کا خیال
 جنکے قبضے میں ہوں میں اور تو
 لاکھ بار اُن سے اگر بھاگے تو
 اُن کی مٹھی میں ہو تو لے دو
 نہ کہ میں جس کا بدل ہے مفقود
 کھوکھلو کوئی پاتا نہیں پھر
 ایک پل میری اگر دست بے گنوا
 تو اگر اپنی لٹا دے ثروت
 میں اسی واسطے جواہل تمیز
 میرے جو لوگ کہ ہیں قدر شناس
 جانتے ہیں حکماء و عرفا
 دل میں جن کے مری کچھ قدر میں
 نہ کوئی کام ہو اُن سے انجام
 نہ اُنھیں دین کی دولت ہاتھ آئے
 نہ ادا صوم ہو اُن سے نہ صلوات
 نہ بردا اُن سے کچھ اپنی کی جائے
 گن تو ہیں مجھ میں بہت ادولت
 بس نہ یادہ نہیں مہلت مجھ کو

میں ہوں اُس عطر کی واسد زمین
 تو ہے گرام تو میں اس المال
 تجھ پر رکھتے ہیں وہ دست قدرت
 بڑھ کے جاسکتی نہیں آگے تو
 طائر رشتہ بیا کی صورت
 جس کا نایاب ہو عالم میں وجود
 جا کے میں ہاتھ سے آتا نہیں پھر
 لیجے ہاتھ اُس سے ہمیشہ کو اٹھا
 پل وہ ملتی نہیں پھر ادولت
 میری ایک ایک پل ان کو ہو عزیز
 ہے مرا جاگتے سوتے اُنھیں باپس
 مجھ کو سرمایہ دین و دنیا
 اُنکی قیمت میں نہ دنیا ہے نہ دین
 نہ ارادہ ہو کوئی اُن کا تمام
 اور نہ دنیا کبھی اُن سے پیائے
 نہ ہو قدرت میں حج ان کی نہ زکوٰۃ
 نہ خبر اُن سے کسی کی لی جائے
 ہے مگر تنگ مجال فرصت
 بحث کی اب نہیں طاقت مجھ کو

اس میں ہو میرا سر نقصان
 کہ ہے انمول مری ایک اک آن

ناقصوں کے دعوے کا ملوک کے سامنے فروغ نہیں پاتے

اور سمجھتے آپ کو ہین بے عدیل	ہے لیاقت جنہیں کچھت بدیریل
جو لیاقت رکھتے ہین اُن سے سوا	اُن کو ایسوں سے نہیں ملنا روا
دیکھنا لازم ہے اڑا سکو نہیں	اونٹ اگر سمجھے بڑا اپنے تئیں
شے نہیں مجھ سے کوئی تابندہ تر	سرزمین ہے جگنو کے یہ سوداگر
ورنہ ہوگا اپنے جی میں شرمسار	چاہیے دن کو نہ نکلے زہینار

قطعات تاریخِ اوتاریخی جملے مقتبس از قرآن مجید

راقم کو فی الواقع مادہ تاریخ نکالنے کا ڈھب نہیں ہے۔ اور اگر کبھی ایسی ضرورت پیش آتی ہے تو نہایت دقت سے اکثر تحریر یا قلمیہ کے ساتھ اور کبھی حسن اتفاق سے بغیر اسکے بھی تاریخ سر انجام ہوئی ہے بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ مادہ تاریخ کسی دوست نے نکال دیا اور پھر میرے مصحف لگا کر تاریخ کے مالک بن بیٹھے لیکن چونکہ غلطی سے تاریخ کوئی کو جزو شاعری سمجھا گیا ہو اس لیے اکثر طوعاً و کرہاً یاروں کی فرمائش سے اور کبھی کبھی اپنی اُچیچ سے بھی تاریخیں لکھنی پڑی ہیں ایک بزرگ کے پاس لوگ اکثر تعویذ گنتے کے لیے آیا کرتے تھے۔ ایک روز فرمانے لگے کہ عباسیوں کے عہد میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ لوگ ایک قفل کو بند کر کے اسکے پاس لے گئے کہ اگر فی الواقع تو خدا کا بھیجا ہوا ہے۔ تو قفل بغیر کبھی کے کھول دے۔ اُس نے کہا بھائی میں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ آہنگری کا دعویٰ نہیں کیا۔ اسکا مطلب اس نقل سے یہ تھا کہ جسے خدا کی طلب میں روشنی اختیار کی تھی یہ معلوم نہ تھا کہ عامل اور سیانا بھی بننا پڑے گا۔ یہی حال ہمارے ملک میں اُن لوگوں کا ہے جو شاعری میں بدنام ہیں۔ ۱۵۱۱ء تو کسی مصروف کے سمجھے نہیں جاتے اور درحقیقت ہیں بھی نہیں البتہ لوگوں کی غرض کبھی بھی اُن سے اس وقت متعلق ہو جاتی ہے جب کوئی اہم بالشان واقعہ ظہور میں آتا ہے مثلاً کسی اصطبل کی مرمت ہوئی۔ یا گھوڑا آختہ کیا گیا۔ یا کسی کی مدینا مر گئی۔ یا مرغ پالی جیتا۔ یا بلی نے بچے دیے ایسے وقت میں شعر کو مقابلہ کے امتحان کا موقع مل جاتا ہے جو شخص مادہ تاریخ فی الواقع یا صاحب فرمائش کے نزدیک سب سے اچھا نکال لاتا ہے اس کا فی الجملہ اعتبار پڑھنا

راقم چونکہ تاریخ نکالنے میں سدا سے بیٹا تھا اس لیے ہمیشہ اس امتحان سے کتراتا رہا۔ لیکن بڑی بھلی چند تاریخین جو کبھی کبھی دوستوں یا بزرگوں کی فرمائش یا اپنے دل کی خواہش سے لکھی تھیں ان میں سے جعفر سردست بہم پہنچیں دیوان میں شامل کر دی گئیں تاکہ دیوان کے ضروری اختلاط میں سے ایک خلط کم ہو جائے۔

تاریخ وفات مرزا غالب محمد دہلوی

غالب نے جبکہ روضۂ رضوان کی اہلی اُسدن کچھ اہل شہر کی فسرگی نہ پوچھ حالی کہ جسکو دعویٰ تکین و ضبط ہے تھا گو وہ ایک سخورہ ہندوستان نژاد اس قافلہ میں آ کے ملا گو وہ سب کے بعد ہم اور صبح و شام یہ اندوہ جان گزرا ناگاہ وہی یہ غالب مرحوم نے صدا تاریخ ہم نکال چکے پڑھ بغیر ہر سیر

ہر لب بآہ سرد تھی ہر دل میں درد تھا دنیا سے دل ہر اپنے پرے کا سرد تھا دیکھا تو دل پہ ہاتھ تھا اور زنگ نہ تھا عرفی و انوری کا مگر ہم سرد تھا اگلون کے ساتھ ساتھ مگر رہ نور و تھا دل تھا کہ فکر سال میں بے غم کر د تھا ریح ہے کہ خواجہ راہنما میں میں فرد تھا حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

تاریخ وفات محمد براہیم جوان طالب علم نبی لے کلاس دہلی کالج

محمد براہیم چون ترک جان گفت ز نخل جوانی شر پر نخل وہ

یہ تاریخ غالب مرحوم کی غزل کے ایک مصرعہ سے نکالی گئی ہے رائے کی غزل کا مقطع یہ ہے: یہ لاش ہے کفن اس خستہ تن کی ہر حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا، اخیر مصرعہ کے اعداد ۲۴۹۶ ہوتے ہیں جیسا کہ لفظ تاریخ کے عدد ۱۴۱۱ اور لفظ فکر کے عدد یعنی ۳۰۰ کا مجموعہ کیا گیا تو ۱۲۸۵ باقی رہے اور یہی ان کا سال دقا ہے مختصر صورت تاریخ کی یہ ہوئی ۲۴۹۶ - (۱۲۱۱ - ۳۰۰) = ۱۲۸۵ -

بگفتم ز روئے الم سال نوشتن بجان آفتابین جان شیرین سپردہ

تاریخ وفات سید خواجہ ناصر وزیر مرحوم دہلوی

جب ہوئے ناصر وزیر راہی ملک بقا شہ اندوگین شہر کے بڑا دل سپر
دل نے کہا ہر جگہ بھیتی ہو چیز اک جڈا باغ میں نسرتن و گل چرخ پہ مہر نسیر
عیش میں شعر و غزل سوگ میں تاریخ ترک غیب سے آئی ندا "خالدین ناصر وزیر"
۱۲۹۸ھ

تاریخ طبع جغرافیہ شمال مولفہ خواجہ سید شہاب الدین حسن صاحب دہلوی

وہ جغرافیہ جس کی تھی احتیاج چھپاژدہ اے طالبان کمال
نئی طرز کا ہے یہ جغرافیہ عیان جس سے ہر ریح سکون کمال
ملی طرفہ تر اس کی تاریخ طبع وہ خود طرفہ ہر جیسے بے قیل و قال
اگر سال ہجری کی ہے جستجو تو جغرافیہ خود بتاتا ہے سال
ہو مطلوب تاریخ گر عبسوی کہو اس کو جغرافیہ بے مثال
۱۲۹۹ھ ۱۸۸۲ء

تاریخ یہ بیان سید بنائے سید مہربان علی مرحوم اُرس گلاوٹھی در بند شہر

علی آن سید والا کہ باشد بنامش مہربان جزوے زاجزا
بود با ذات او توام سیادت چنان کہ نام او مہرست پیدا
چو این کا شانہ را بنیادینہاد بعہد حاکم سید اُردودانا
گرہیں آن فیض گستر کرد وجودش شد این معمورہ چون گلشن سراپا
چنین گفتش حالی سال تمبیر مکان بے نظیر آباد بادا
۱۲۹۹ھ

تاریخ اوزنگ شینی حضو آصف جاہ نظام الملک کے محبوب علی خان بہادر فرمان رواے ملک دکن

۶ سال فرخ و ماہ سعید و روز فرخندہ
۶ تحت سلطنت شہست حالی گفت تاریخش
نظام الملک محبوب علی خان آصف ثانی
برائے وی مبارک تاج و اوزنگ جہانیانی
۱۳۰۱ھ

تاریخ تالیف قواعد اردو مولفہ خواجہ شہاب الدین حسن صاحب دہلوی

قواعد ہے یہ اردو کی کہ جس کا
کتا بن اس سے پہلے تھیں بہت سی
مگر یہ مختصر ہے اک رسالہ
وجود اس کا ہو گو سب سے مؤخر
جو قیمت پوچھیے تو ہے بہت سہل
اگر نام اس کا تاریخی ہو مطلوب
بیان شافی ہے اور ترتیب محکم
زیادہ مجسم میں اور نفع میں کم
کہ ہیں جس میں قواعد سب فراہم
پہ فونی میں سے اکثر سے مقدم
نہ دینا را سمین لگتے ہیں نہ درہم
تو ہے اسے طالبو "اکسیر عظمہ"
۱۳۱۲ھ

تاریخ رحلت نواب ضیاء الدین احمد خان مرحوم دہلوی

رد اک ضیاء دین احمد بر بست
اد طاق و ذرا یوان و زبزم و جلسا
رخب سفر از جهان کجا الم است
بگستہ بہ رحمت الہی پیوست
۶۹۲ھ ۶۹۳ھ

۱۔ یہ تاریخ اس طرح نکلتی ہے کہ ۶۲۸ میں سر جو کہ ضیاء دین احمد اعداد میں ۳۲۱ جو کہ طاق را یوان زبزم اور جلسا کو اعداد کا مجموعہ ہے

تخریج کر کے باقی یعنی ۶۰۸ کو ۶۹ میں جو کہ رحمت الہی کے اعداد میں ملانے سے ۱۳۰۲ حاصل ہوتا ہے اور یہی نواب مرحوم کا سال وفات

ہے مختصر صورت تاریخ کی یہ ہے ۶۲۹ (۱۱۰ + ۶۸ + ۹۴ + ۹۴) = ۶۰۸ + (۶۹۳) = ۱۳۰۲ھ

تاریخ طبع دیوان منشی اقبال حسین صاحب متخلص بہ عاشق

جوان مرد آزادہ عاشق کہ نیست
 نہ صیاد و ہوارہ از حسن خلق
 نہ ستار و پیوستہ ناضون لطق
 تھے بار و از جہہ اش ابسط
 نہ بینش کہ سرکہ برابر دان
 دو سال ست کافون مہر و فاش
 ولے دیر پیوندنا آشنا
 ندانم کہ عاشق چہ افسون و سید
 سر رشتہ ہیہات و ادم ز دست
 کنون رانم از طبع دیوان سخن
 درین روز ہا کہ مروت زمان
 عروس سخن می نیرزد بگو
 صد آباد بر عاشق و عسرم او
 ز معنی بہ بیگانہ و آشنا
 چو دیوان اردو عاشق کہ است
 بہ پیرایہ طبع آراستند
 سخن کیش نمود از رشے در جهان
 چو حالی ہے جست تاریخ طبع

در اقران خود کس مراد را فرین
 پے صید آزادگان و رزمین
 کشد ز اشیاں باز و شیرازین
 اگر مہربان ست و اگر خشکیں
 نہ یا بیش افتادہ چین و چین
 رہو دست صبرم ز جان حزین
 کہ بودست فاسخ ز مہر و زکین
 کہ در بخت خود را بہر ش چین
 سخن ز آسمان بود رفت از زمین
 کہ شد جلوہ منرا بہ فوسے گرین
 سخن شد همان و سخن و ہمین
 بہ حسن ار بود غیرت خون و چین
 کہ در دورنا ساز گا رمی چین
 نشانہ است گنجینہ از آستین
 صحنی از طرفہ گفتی ز چین
 شنیدند از ہر کنار آستین
 ز شادی نہ گنجید در پوستین
 صنم خانہ عاشق آمد سنین

تاریخ بنائے چاہ در محوطہ مدرستہ لعلوم مسلمانان واقع علی گڑھ

بحساب سال بعثت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

بحسن سعی جناب آنزویل سر سید احمد خان بہار

ہدایت کیجئے اگر سال ہجرت کی محرم سے تو کیسے سال بعثت کا مہ شوال کو مبداء
کلام اللہ اتر آ آخر ماہ مبارک میں ہوا اس واسطے شوال مبداء سال بعثت کا
نکالے یہ مبارک سن جناب سید احمد نے بنایا جس نے دارالعلم کا یہ چشمہ زیبا
زیوے سال بعثت چونکہ تھی تاریخ کی خواہش کہا ہاقت حالی سے کہ چشمہ فیض احمد کا
۱۳۱۲ھ

تاریخ طبع ترجمہ تاریخ دربار قیصری بحساب سال عیسوی

پنجاب کے ادارہ تعلیم عام نے ایک اور کام ملک کے حق میں کیا ہے خوب
دربار قیصری کی جو تاریخ تھی چھپی اب ترجمہ اسی کامرتب ہوا ہے خوب
ہیں لفظ دلکشا تو مضامین ہیں دلنشین ہے ترجمہ نفیس تو طرز اداسے خوب
چھپ کر ہوا امتام تو حالی نے یوں کہا "دربار قیصری کا مرقع چھپا ہے خوب
۶۱۸۸۲

تاریخ بنائے مہمان سرادر موضع مون واقع پنجاب بحساب سال عیسوی

ہجر کرم آن وزیر چند کہ باقی ست نام بزرگان مون نذیل و نوالش
ساختمہ منزل گئے چو ہر غریبان تکلیف گے ہر غریب آمدہ سانش
۶۱۸۸۴

تاریخی مجلے مقبس از قرآن مجید

تاریخ وفات غفران نواب محمد مصطفیٰ خان مرحوم ہوی مسرین نیکر آباد خالص مسرینی

جَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّاتٍ وَحَرَدٍ

آیہ قرآنی میں بِمَا صَبَرُوا جَنَّاتٍ وَحَرَدٍ ہے۔ چونکہ تاریخ وفات میں ایک ذکی کمی ہتی تھی اس لیے جنت کی جگہ جنات کر دیا گیا ہے جیسا کہ نواب آصف الدولہ کی مشہور تاریخ میں بحالہ فریح وریحان و جنت نعیم کے ہمارا روح وریحان و جنات النعیم کر دیا ہے۔

چونکہ نواب مرحوم نے مرض الموت میں مرض کے شدید و آلام بے نظیر صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کیے تھے اس لیے اس آیت کا مضمون اُن کی وفات نہایت مناسب تصور کیا گیا یعنی جناب باری نے بعض اُنکے صبر کے بہشت اور بہشت کا لباس اُنکو عنایت کیا۔

تاریخ وفات نواب محمد نقشبند خان مرحوم کو اوسط نواب محمد مصطفیٰ خان مرحوم مسرین نیکر آباد

وَحُلُّوا أَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ

۱۲۹۳ھ

چونکہ غور و بصورت ایک بے جہ و شکیل آدمی تھے اور اُن کی وفات غفلان شباب میں واقع ہوئی تھی اس لیے یہ آیت اُن کی تاریخ وفات کے لیے نہایت مناسب اور موزون سمجھی گئی۔ اللہ تعالیٰ اہل جنت کے ذکر میں ارشاد فرماتا ہے کہ پھائے گئے اُن کو چاندی کے کنگن، بجائے مضارع کے ماضی کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے۔ گویا اُن کی مغفرت ہو چکی۔ اور اہل جنت کے تمام حقوق اُن کو مل چکے۔

یہ ایک عجیب حُسن اتفاق ہے کہ باپ اور بیٹے دونوں کی تاریخ وفات قرآن مجید سے برآگم ہوئی اور پھر ایک ہی سورت یعنی سورہ دھر سے نکلی اور دونوں آئین اہل جنت ہی کے ذکر میں واقع ہوئی ہیں۔

تاریخ بنائے آئینہ خانہ دریا ستگاہ بھاو لپور كَانَ هَٰذَا صَرْحٌ مِّمَّنْ دُمِنَ الْقَوَارِدِ

ہجری

قرآن مجید میں اصل آیت ۹۶ اِنَّ هَٰذَا صَرْحٌ مِّمَّنْ دُمِنَ الْقَوَارِدِ ہے تاریخ میں اب ضرورت تکمیل اعداد اور نیز بمقتضای مقام اِنَّہ کی جگہ کا نَہ کر دیا گیا ہے مگر چونکہ اس سے بھی اعداد پورے نہیں ہوتے تھے اس لیے قوارید میں الف لام بڑھا کر القوارید کر دیا گیا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاں جب سبا کی بادشاہ زدی بلقیس اول ہی دفعہ وارد ہوئی تو اُس کو شیش محل کے صحن پر جہین آئینے لگے ہوئے تھے یہ گمان ہوا کہ گویا پانی بھرا ہوا ہے۔ اُس نے فوراً پانیچے چڑھا لیے حضرت سلیمان نے کہا ”اِنَّ هَٰذَا صَرْحٌ مِّمَّنْ دُمِنَ الْقَوَارِدِ“ یعنی یہ تو ایک محل ہے جس میں شیشے جڑے ہوئے ہیں تاریخ بنامین اِنَّہ کی جگہ کا نَہ کر دینے سے یہ معنی ہو گئے کہ گویا یہ وہی سلیمان کا شیش محل ہے۔

یہ تاریخ ایک دوست کی فرمائش سے جو اُس وقت بھاو لپور میں ملازم تھے بھیجی گئی تھی مگر ایسا نہ کیا تھا کہ پسند نہیں آئی۔ نہ اس لیے کہ اس میں جو جگہ اپنی طرف تشریف کیا گیا ہے بلکہ اس لیے کہ نواب صاحب کا نام اُس میں نہیں تھا۔

تاریخ ولادت فرزند حرم سرے نواب آسمان جاہ بہادر مدارلہام کمر عالی
لحمہ شریک کا ہذا ابشر ان ہذا لا ملک کریم

اس آیت سے سنین مطلوبہ یعنی ۱۳۰۰ھ طرح نکلتے ہیں کہ آیت کے جملہ اولیٰ معنی لکھا آتش
لحمہ ما ہذا ابشر کے اعداد ۱۶۵۴۱۶ ہیں۔ ان میں سے ہذا کا خرچہ اور ملک کو بیعہ کا بجائے
اسکے تعمیہ کرنے سے ۱۳۰۰ھ حاصل ہو جاتے ہیں۔

خرچہ و تعمیہ کا اشارہ گویا ان ہذا لا ملک کریم سے نکلتا ہے کیونکہ اس جملے
کا ترجمہ اگر یوں کیا جائے کہ نہیں ہے۔ ہذا "مگر ملک کریم" تو اس سے یہ مطلب استفادہ
ہوگا کہ اوپر کے جملے میں "ہذا" کی جگہ "ملک کریم" رکھ دیا اور اسی طرح ۱۳۰۰ھ حاصل ہو جائے گا۔
اصل آیت میں حاشیہ ہے ضرورت لام اضافہ کر کے لکھا شدہ کر دیا گیا ہے آیت کا
ترجمہ یہ ہے (حاشا للہ یہ غیر نہیں ہے یہ تو ہونہو کوئی مغرور فرشتہ ہے جو عورتیں زلیخا کی فریفتگی پڑوس کو
ملاست کرتی تھیں جب حضرت یوسف دفعتاً ان کے سامنے آئے تو اس وقت جو الفاظ
ان کے منہ سے نکلے تھے ان کو قرآن میں اس طرح نقل کیا گیا ہے۔

تاریخ وفات مہین برادر اتم جہا خواجہ اوجین مرحوم صاحب

سالم علی عبادہ الذین اصطفوا

یہ تاریخ برادر زادہ اتم حافظ اطلاق حسین سلمہ اسد تعالیٰ نے اپنے والد مرحوم کی وفات کے
چند روز بعد عین تلاوت کے وقت قرآن مجید سے اقتباس کی تھی جس کے بے کم و کاست
سال وفات برآمد ہوتا ہے چونکہ یہ ماہ نہدیکہ خالی نہ تھا اس لیے بوجہ اتحاد کے اپنی تاریخین

کے ساتھ اس تاریخ کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ یہ تاریخ برادر مرحوم کے سنگِ مقبرہ پر جو کہ
دلی میں حضرت خواجہ بانی اللہ قدس سرہ کے جوار رحمت میں واقع ہے کندہ ہے۔
قطعات تاریخ ازستان کج طبع جناب خواجہ امداد حسین مرحوم تخلص ہے۔

چونکہ برادر مرحوم کی بہت سی تاریخوں میں یہ چند قطعے باقی رہ گئے تھے اور انکی اشاعت کے
لیے کوئی اور موقع نہ تھا اس لیے بطور یادگار ان کو بھی اپنے دیوان میں شامل کر لیا گیا ہے۔
تاریخ وفات جناب مولانا قلندر علی زبیری پانی پتی غفر اللہہ تخلص عالم

آن قلندر علی وحید زمان	در نجابت زبیری و سندی
غاک پانی پت از سکونت او	در جهان شد علم پر مستندی
مرد و با خویش برد حکمت و علم	ماند خلق بہ کوئے نابلدی
جز دل او کہ بود جملہ صفت	نقد ہر کیسہ جیدیت و ردی
جز کتابش کہ بد ہمہ حنات	درج ہر نامہ نیکی ست و بدی
گفت سال وفات او مظهر	رفت عظمیٰ ہم بہ جنت ابدی

تاریخ وفات صاحب قسط سعد اکبر مرحوم بانی مدرسہ اسلامیہ پانی پت

چو سعد اکبر آن باری گر قوم	کہ مراہل وطن را بود یا ور
سوے جنت زوینار رخت بربت	ازین غم تافت دلسا ہجو آذر
در بیخ آن نیک خواہ حلقہ احباب	در بیخ آن غمگسار ہر براہ

۱۱ کتاب سے مراد نامہ احوال ہے ۱۲

۱۳ مولوی قلندر علی مرحوم عالم تخلص کرتے تھے ۱۴

دریغ آن در سگاہ اہل اسلام کہ انداز مروتش بے برگ بے بر
چنین سال فائش یافت منظر شدہ جنت مقام سعد اکبر
تاریخ اورنگ نشینی حضور نواب آصف جاہ نظام الملک میر محبوب علی
بہ سادہ ام اقبالہ فرمان دے دکن

شاہ دکن چون نہا حسب عباد افسر دولت بہ فرق پاپے اورنگ آباد
سال جلوسش خود گفت کہ بے سر شد غنہ و فسق و فجور شر و فریب و فساد
ایضاً

عیان شد چو عید جلوس نظام بے خوشتر از عید وصل حبیب
خود فرق اعدا تراشیدہ گفت کہ "نَصْرُ مِنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ"

تاریخ ولادت فرزند ارجمند کاشانہ اقبال حضور نظام ام قباہ

شد چو خورشید شرف طالع بشکوئے نظام قدسیان گفتند شمع ملک و دولت آمدہ
منظر اندر نہ کر تاریخ ولادت رفتہ بود عقل گفت این لعل از کان شرافت آمدہ

تاریخ مدار لہامی نواب میر لائق علی خان مرحوم در سرکار عالی

دوش کردم ز عقل چند سوال کوست حلال مشکلات و عفت
گفتمش کہ بود کہ بشاہ دکن بنشیند بہ سند آب و جد
گفت جشن جلوس نسخ او در ہزارست و سی صدست و واحد
گفتمش پس کہ باشدش دیوان؟ قرعہ بر لائق علی حسان زد

گفتش سنگھارین راہ است گفت زودا کہ حق بہ خواہ رسد
گفتش خواہ کے شود دیوان؟ گفت "حق میرسد مگر کز خود" ^{۱۳۰۱ھ}

تاریخ بنا و مرست مسجد لانا حاجی ابراہیم حسین صاحب انصاری
اشنا عشری پانی پتی دام ظلہم العالی

جعفری مذہب بن مسعود بیت حق را کہ اعظم است و قدیم
خبر شد ادلم ضاوق کرد تعمیر کعبہ ابراہیم ^{۱۳۰۱ھ}

۱۰ بانی مسجد یعنی مولانا ابراہیم حسین صاحب کے والد کا نام اعظم علی اور ان کے چچا کا نام جعفر علی اور دادا کا
نام صادق علی یہ تینوں نام اور خود بانی کا نام قطعہ تاریخ میں نہایت خوبی سے آیا ہے ۱۲



بسم اللہ الرحمن الرحیم

نایاب کتابیں

مقدمہ شعر و شاعری پڑھنے والے طلباء پر کتاب کی خریداری کا بار نہ ہو اس میں شاعری پر فلسفیانہ و تحقیقی بحث کر نیکے ساتھ ساتھ اردو شاعری کے جملہ صنات پر نہایت لطیف تبصرہ کیا گیا ہے اور اگرچہ مذہب شاعری کے بعض مقتضات عام سے اختلاف کر نیکی بنا پر حضرت حالی کو مورد طعن بننا پڑتا ہے مگر یہ بخیر تردید کہا جاسکتا ہے کہ نکتہ چینوں کے نزدیک بھی مولانا حالی کا مقدمہ نیکو بنیظیر اور قابل قدر معلومات کا گنجینہ ہے قیمت ۱۰ روپے

مرد و مہل مرزا غالب مرحوم کے اردو خطوط کا مجموعہ جسے لوگ بجا طور پر موجودہ انداز تحریر کی بنا پر اول درجہ کی کہتے ہیں اردو و فرائض جو ایک نئی صفا کی اور سلاست کی نظر آتی ہے یہ بہت کچھ اسی کا فیض ہے اسکے حصہ اول میں صاف اور سادہ عبارت کے خطوط ہیں جنکے مطالعہ سے صحیح اور فصیح اردو لکھنے میں دلتی ہے اور حصہ دوم میں وہ رقعات ہیں جس میں مرزا نے لوگوں کو اصلاحین یا شاعری کے متعلق کچھ ہدایات لکھی ہیں بعض کتابوں کے دیباچے اور تقریظیں بھی اس میں شامل ہیں قیمت ۱۰ روپے

شرح دیوان الب (امام مولانا سید علی حیدر طباطبائی نظم لکھنوی) انقبت بہ نواب حیدر بار جنگ دیوان کی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں مگر سب سے مفصل شرح یہی ہے اور چونکہ شاعر خود ایک بالکل شاعر اور فاضل اہل ہیں اس وجہ سے یہ شرح خاص طور پر قابل مطالعہ ہے قیمت ۱۰ روپے

ماریہ زبان و مستغنی عن التعریب ہیں یہ انھیں کا لغت ہے جسے ارباب فن نے نہایت درجہ پسند کیا اور انھیں کی ضرورت پر نظر کر کے اب دوبارہ چھاپا ہے اس لغت میں اردو کے عام محاورات کا مفہوم اور استعمال سمجھانے کی خاص کوشش کی گئی ہے قیمت ۱۰ روپے

آفتاب نواب مولانا داغ دہلوی مرحوم کا جواب دیوان مدت کے بعد اب بارہ زیور طبع سے آراستہ ہوا ہے ابتدا میں حضرت داغ کے مختصر حالات زندگی دیے گئے ہیں قیمت ۱۰ روپے

یہ کتابیں مولانا حالی کے منتخب کلام میں شامل ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ مولانا حالی کے منتخب کلام بھی شامل ہیں۔ قیمت ۱۰ روپے

مولانا شبلی کی لاجواب تالیف حسین اٹھوٹھ نے آسمانِ مراثی کے آفتاب و ماہتاب
موازنہ میں میر انیس و مرزا دیر کے کمال شاعری کا باہرگز موازنہ کر کے دکھایا ہو اگرچہ ہرگز
کی صاف و شفاف و شنی سے رات کے وقت دن کا سا اُجالا رہتا ہو پھر بھی آفتابِ عالمات کی حیا گسری سے
اسکو کیا نسبت؟ میر انیس کے کلام کی خوبیوں اور اُن باریک نکٹوں کے بیان کرنا میں جس کے علمِ نظریں نہیں
ہو چھتیں مولانا شبلی نے اپنی سخن سنجی اور کمالاتِ ادبی کے خوب خوب جوہر دکھائے ہیں۔ ایسے دوسرے
دو مولفہ مولانا شبلی (حسین علم کلام کی ابتدا اور اسکے عہدِ عہد کی وسعت و ترقی اور تغیر
علمِ الکلام کی نہایت تفصیلی تاریخ اور علم کلام کے تمام شعبوں پر محققانہ بحث اور اس کی مختلف
شاخوں پر تبصرہ ہر قیمتِ عظیم

یعنی مولانا شبلی کے اُن قابل دید مضامین کا مجموعہ جو مختلف علمی رسائل میں چھپ کر
مقبول عام و خاص ہو چکے ہیں قیمت ۱۱۲
(از منشی امیر احمد علوی بی اے) جدید تعلیمی افتہ اصحاب میں سے جو لوگ اب تک
یقین رکھتے ہوں کہ اُردو شاعری مخرب اخلاق ہوا و فطری جذبات و بلند خیالات
کے بجائے خلاف قیاس تشبیہات اور بیہودہ استعارات کا ایک مجموعہ خرافات اُنھیں اسکے مطالعہ
سے معلوم ہو جائے گا کہ ہماری معنی زبان کا سرمایہ ادب انگریزی میں وسیع اور ترقی یافتہ زبان کے
ذخیرہ ادبی کے مقابلہ میں کسی طرح ہیڈا نہیں قیمت ۸۰

علی گڑھ کالج کے بانی ناز فرزند اور تعلیم جدید کے پاکیزہ ترین شہسوار
 آئینہ خاں غلام نقیلین مرحوم (بی۔ اے۔ ایل ایل بی) کو ایل بی ایگور
 کا یہ لکچر طلباء کے لیے خاص طور پر لائق مطالعہ ہر قیمت ۱۴
 حضرت آتش مرحوم و مغفور کے باکمال شاگرد نواب سید محمد خان زند کا بچپن پر
 تذکرہ زندہ مولفہ منشی امیر احمد علوی بی۔ اے۔ قیمت ۱۴
 مولانا شبلی کی فارسی غزلیات کا مختصر مجموعہ قیمت ۱۴

ملنے کا پتہ: محمد حسن مالک انوار المطابع و کتابت طبرستان کھنڈو